ماہنامہ
اهل السنة
Ahl Us Sunnah
May 2022
مئی ۲۰۲۲ء

مدارس کی ڈوبتی نبض اور چندے کی بیساکھی

گیارہ رکعات سے زیادہ تراویح کا حکم

کیا شوال کے چھ روزے سے پہلے رمضان کے قضا روزے رکھنے ضروری ہیں؟

زکاۃ کے پیسوں سے اشیاءِ خوردنی (Foot Kits) تقسیم کرنے کا حکم؟

ایڈیٹر : کفایت اللہ سنابلی
124
نائب ایڈیٹر : خلیل الرحمٰن سنابلی

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

بعد رمضان
شوال کے چھ روزوں کی فضیلت

عَنْ اَبِی اَیُّوبَ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہُ حَدَّثَہُ، اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ قَالَ:

”مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَاَتْبَعَہُ سِتًّا مِنْ شَوّالٍ.
کَانَ کَصِیَامِ الدّھْرِ“

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد
شوال کے چھ (نفلی) روزے رکھے اس کو سال بھر کے روزوں کا ثواب ملے گا“

[صحیح مسلم:١١٦٤]

Ahlus Sunnah

Volume No.10, Issue No.124, May 2022

ماہنامہ

مئی ۲۰۲۲ء

جلد: ۱۰ | فی شمارہ Rs. 30/-
شمارہ: ۱۲۴ | سالانہ Rs. 300/-

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی **نگراں** : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
رابطہ نمبر: 8657458182

نائب ایڈیٹر : خلیل الرحمٰن سنابلی
رابطہ نمبر: 8291063765

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی • حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمیٹنگ : شفیق احمد محمد عدیل محمدی • **گرافک ڈیزائنر** : طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی • دکتور عبیدالرحمٰن مدنی • شیخ نورالحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ : اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبرشپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: • Current Account : ICICI Bank • Account Name : Ahl us Sunnah
A/c No: 102805001781 • IFSC Code : ICIC0001028 • Andheri Link Road Branch

Add: Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : http://ahlussunnah.net | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدارس کی ڈوبتی نبض اور چندے کی بیساکھی	رشید سمیع سلفی	05
گیارہ رکعات سے زیادہ تراویح کا حکم	فضیلۃ الشیخ محمد جعفر الہندی	07
کیا شوال کے چھ روزے سے پہلے رمضان کے قضا روزے رکھنے ضروری ہیں؟	کفایت اللہ سنابلی	24
مجبوری میں سب جائز؟	ترجمانی: شیخ اسعد اعظمی	35
زکاۃ کے پیسوں سے اشیاء خوردنی (food kits) تقسیم کرنے کا حکم؟	ابو احمد کلیم الدین یوسف	42
شوال کے روزوں سے متعلق چند اہم سوالوں کے جوابات	ابو البیان رفعت سلفی	44
تین طلاق اور صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ (پانچویں قسط)	کفایت اللہ سنابلی	46

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

اداریہ

مدارس کی ڈوبتی نبض اور چندے کی بیساکھی

رشید سمیع سلفی

دوسال کے بعد رمضان لاک ڈاؤن سے مکت ہوا تو سفراء جوق در جوق شہروں کی طرف بڑھنے لگے، رمضان میں پورے منظر نامے پر چلتی پھرتی ٹوپیوں کا راج ہوتا ہے، ایک ماہ کے گھمسان کے بعد ماحول پرسکون ہوجائے گا، چندے کا یہ سلسلۂ نامسعود پہلے بھی تھا اور ہنوز جاری ہے، بس یوں سمجھ لیں کہ مدارس کیلئے چندہ مقدر ہو چکا ہے، صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ رمضان کا چندہ ہوگا تو مدرسہ چلے گا اور اگر نہیں ہوا تو مدرسہ بند رہے گا، لاک ڈاؤن اس کی زندہ مثال ہے، مدارس کے بقاء کے لیے اور کوئی متبادل دور دور تک نظر نہیں آتا، اب اگر مدرسوں کو بند کرنا ہے تو کیا بند کرنا پڑے گا؟ یہ آپ سے زیادہ معاندین سمجھتے ہیں، چندے پر اگر قدغن لگتی ہے تو سیکولرزم اور جمہوری حق کا نام نہاد دعویٰ کتنا کام آئے گا؟ یہ ہم آئے دن دیکھ رہے ہیں، حجاب اور اذان پر سرکار اور میڈیا کا دوغلا پن ہمارے سامنے ہے، صرف میڈیا ٹرائل چلے گا اور چندہ جرم ٹھہرا دیا جائے گا، پھر ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں ہم دلیلیں دیتے رہیں گے، یوپی میں سرکار سے ملحقہ اداروں پر تبدیلی کی تلوار لٹک رہی ہے، تمام سرکاری امداد یافتہ ادارے نئے نصاب اور نئے نظام کے سانچے میں ڈھالے جائیں گے، اس کا عندیہ دے دیا گیا ہے، بیک وقت ہزار کے قریب مدرسین اس فیصلے کی زد میں آئیں گے؟ آسام کے مدارس اس کرب سے گزر رہے ہیں، جب ملت کے اکابرین نے مدارس کو سرکاری اعانت لینے سے منع کیا تھا تب کسی نے ان کی بات نہیں سنی تھی، اب چڑھتے سورج کی طرح یقین ہو چلا ہے کہ وہ سب کچھ ہونے جا رہا ہے جس کا خدشہ بزرگان دین نے ظاہر کیا تھا، یہ تو سرکاری امداد یافتہ اداروں کا حشر ہوگا، پرائیویٹ اداروں کا مستقبل بھی روشن نہیں ہے، ان کو بند کرنے کے لئے چندے پر قدغن ہی کافی ہوگی۔

وقت کی نزاکت اور اسلام دشمن سازشیں چندے کی مجبوری کا کوئی علاج چاہتی ہیں، چندہ صرف مدرسے کی مجبوری نہیں بلکہ کثیر مسائل ومشکلات اور قباحتوں کا سامان بھی ہے، علماء کرام کا در در کی ٹھوکریں کھانا، ذلت ورسوائی، رمضان میں دھوپ اور گرمی میں خوار ہونا، بعض جہلاء کی جانب سے بدسلوکیاں، چندے کے میدان میں جعلی مچندین کی لوٹ کھسوٹ وغیرہ وغیرہ، یہ وہ مسائل ہیں جن سے مخیّرین اور مچندین دونوں جوجھ رہے ہیں، اس سے پہلے کہ یہ مجبوری موت کی شکل اختیار کرلے مدارس کو زندہ رہنے کے لئے کسی پائیدار حل کی طرف دھیرے دھیرے بڑھنا ہوگا، چندے کا متبادل ڈھونڈنا ہوگا، وقت اب اجازت نہیں دیتا کہ مدارس کو چندہ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے، کبھی بھی چندے کے خلاف کوئی مہم چھیڑی جاسکتی ہے۔

ابھی بھی ملک میں چند ادارے ہیں جو چندے کی بیساکھی کے بغیر چل رہے ہیں، وہ خود کفیل ہیں، نہ خود چندے کی درخواست کرتے ہیں اور نہ اپنے مدرسین کو در در کی ٹھوکریں کھانے کے لئے قسمت کے رحم وکرم پر چھوڑتے ہیں، کسی نے زمینوں

کی آمدنی پر انحصار کیا ہے، کسی نے پراپرٹی کے کرایہ کو سہارا بنایا ہے، آسام کے ایک ادارے کے بارے میں سنا کہ مدرسے کی ملکیت میں کئی تالاب ہیں جن میں مچھلیاں پالی جاتی اور بیچی جاتی ہیں، اس سے پورے سال ادارہ بلا کسی خسارے کے چل رہا ہے، اہل مدارس دینی تعلیم کے لئے قطرہ قطرہ جمع کر کے ہاسٹل کی عمارت تعمیر کر لیتے ہیں، درسگاہ کی بلڈنگ بھی بن جاتی ہے، مطبخ اور ڈائننگ ہال کا بھی وجود ہو جاتا ہے، اساتذہ کی رہائش گاہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے، اتنے بڑے بڑے پروجیکٹ چندے سے پورے کر لئے جاتے ہیں، کیوں ایسا نہیں کیا جاتا کہ ادارے کی مستقل آمدنی کے لئے بھی کسی پروجیکٹ پر کام کیا جاتا، چند سالوں میں اس کی تکمیل کر کے اس کی آمدنی سے مدرسے کے اخراجات پورے کئے جاتے، پھر ایک پروجیکٹ کے بعد دوسرا پروجیکٹ شروع کر دیا جاتا، کچھ عمارتیں بنا کر کرائے پر دئے جاتے اور اس کی آمدنی سے مدرسہ چلتا، زمینیں خرید کر اس پر کاشت کی جاتی، سرمایہ کسی بزنس میں لگا کر اس سے آمدنی کی جاتی، مدارس کو عصری نصاب سے ہم آہنگ کر کے ایک جامع نصاب تیار کر کے اسے پڑھانے کی طرف پیش رفت ہو اور فیس سے بھی اخراجات کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے یا پھر مستطیع طلبہ سے فیس لے کر بھی بوجھ کو ہلکا کیا جاسکتا ہے، ذرائع اور بھی نکل آئیں گے، غور وفکر کی پن چکی کو حرکت میں لائیں گے تو بہتیرے آئیڈیاز سامنے آسکتے ہیں، بس جتنا جلدی ہو سکے چندے کا متبادل تلاش لیا جائے۔

چند فریبیوں اور جعلی افراد کے سبب مستند اور امین علماء بھی بدسلوکیوں سے دوچار ہوتے ہیں، انہیں بھی مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا ہے، جبکہ وہ نا چاہتے ہوئے چندے کے لئے نکلتے ہیں، ملازمت کی بقا کے لئے ایسا کرنا ان کی مجبوری ہوتی ہے، کیا کریں گے؟ درس وتدریس کے ساتھ چندہ بھی لازمی ہوتا ہے، کوئی کتنا ہی باصلاحیت اور معیاری کیوں نہ ہو اگر رمضان میں چندہ نہیں کر سکتا ہے تو ساری صلاحیتیں بے معنیٰ تصور کی جاتی ہیں، رواج ایسا بن گیا ہے کہ قوم کے رہبر قوم کے سامنے گداگری کرتے ہیں اور بعض علماء بیزار ان کے حال زار کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور پھبتیاں بھی کستے ہیں، یہ اس قوم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے علماء کو گداگری کے اس لعنت سے نجات عطا کرے، جب ہم اپنے رہبروں کو چندے کے خارزار میں خوار ہونے کے لئے چھوڑ دیں گے تو ان کی تکریم وعزت افزائی کون کرے گا؟ نائب رسول کا کیا یہی منصب ہے؟ دکانوں کے باہر قطاروں میں کھڑے رہنا کیا انہیں زیب دیتا ہے؟ مسجدوں کے گیٹ پر بھکاریوں کی طرح کھڑا رہنا کیا اچھا لگتا ہے؟ یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے جس سے چشم پوشی مجرمانہ حد تک بڑھ چکی ہے، یہ ایک ملی ناسور ہے جس کے علاج کی کسی کو فکر نہیں ہے، خطباء کو اس موضوع پر خطاب کرنا چاہیے اور اہل قلم کی جانب سے اس مسئلے کو اٹھایا جانا چاہیے، اس مسئلے کے تئیں عوام کی ذہن سازی ضروری ہے، بھاری بھرکم چندہ کر کے دینے والا مولوی مدرسہ پر دھاک جما کر رکھتا ہے، انتظامیہ کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتا ہے، تعلیم کا جنازہ تو پہلے سے نکل چکا ہے، کیونکہ جو بہت اچھا چندہ کرتا ہے ضروری نہیں کہ وہ بہت اچھا پڑھائے بھی، اب دودھ دینے والی گائے کی دولتی تو برداشت کرنی پڑے گی، اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین

گیارہ رکعات سے زیادہ تراویح کا حکم

فضیلۃ الشیخ محمد جعفر الہندی

إنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُه وَنَسْتَعِيْنُه وَنَسْتَغْفِرُه وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ انْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَه وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَه ، وَاشْهَدُ انْ لَا إلٰهَ إلَّا اللّٰهُ وَحْدَه لَاشَرِيْکَ لَه وَاشْهَدُ انَّ مُحَمَّداً عَبْدُه وَرَسُوْلُه. ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً. وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآئَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ. اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا. يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ . وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ امابعد: فإنَّ خَيرَ الحَدِيْثِ كتابُ اللّٰه وخَيْرَ الهَدي هَدْيُ محمد ﷺ وشَرَّ الامُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ.

اهمیت قیام اللیل:

رات کی نماز اللہ سے مناجات کا ذریعہ ہے رب اور بندے کے درمیان براہ راست اتصال قیام اللیل ہے، اللہ کی قربت اوراس سے اپنے دکھوں کا مداوا طلب کرنے کا سب سے بہتر وسیلہ صلاۃ اللیل ہے، رنج ومحن اورغم والم کے ماحول میں سکون دل اوراطمینانِ قلب کا بہترین نسخہ صلاۃ اللیل ہے، کائنات انسانی جب محوخواب ہوتو دنیا سے منقطع ہو کر رب کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کا طریقہ قیام اللیل ہے، آرام دہ بستر، خوبصورت بیوی، مسرت آمیز نیند اوردنیاوی عیش وتنعم کی موجودگی میں رب کی کبریائی کے اعلان واعتراف کا موقعہ صلاۃ اللیل ہے، اللہ سے ہم کلامی کا سب سے آسان اورافضل ذریعہ یہی ہے، رات کے پچھلے پہر جب کائنات انسانی پر مہیب سناٹا اوردنیا میں گھنگھورتاریکی پھیلی ہوئی ہوایسے میں بیدار ہوکر رب کے حضور حاضری کی لذت سے شادکام ہونا اہل عزیمت کا وظیفہ ہے، رات کی تنہائی میں اپنی عاجزی، بے بسی اور بندگی کا اظہار یہ لے کر رب العالمین سے معافی تلافی کر کے اس کی رضا حاصل کرنے کی شاندار فرصت یہی رات کی نماز ہے، رب العالمین کے ساتھ راز و نیاز اورمناجات وسرگوشی کا سنہری موقعہ صلاۃ اللیل ہے، عبدومعبود کے درمیان رابطہ کی کڑی قیام اللیل ہے۔ گویا کہ صلاۃ اللیل انسانیت کا کمال اورعبدیت کی معراج ہے، اورصلاۃ اللیل عبودیت وریاضت کے ماتھے کا جھومر ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے مومن، مطیع اورمقرب بندوں کی علامت قرار دیا ہے۔ ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا

وَّ طَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُم يُنفِقُونَ﴾ ''ان کی کروٹیں بستروں سے الگ رہتی ہیں، اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں'' [السجدة:١٦]

اوراسی لئے نبی ﷺ نے اسے طریقۂ صلحاء قرار دیتے ہوئے فرمایا:''عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ''، ''تم قیام اللیل کو لازم پکڑو کیوں کہ وہ تم سے قبل صالحین کا طریقہ ہے'' [ترمذی :٣٥٤٩] دیکھیں: [الارواء:٤٥٢]

اوراسی لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف مواقع پر نبی ﷺ کو اس بات کا حکم دیا ہے فرمایا:﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلاً طَوِيْلاً﴾ ''اور رات کے وقت اس کے سامنے سجدے کر اور بہت رات تک اس کی تسبیح کیا کر'' [الانسان: ٢٦]

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ ''رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کریں یہ زیادتی آپ کے لئے ہے عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا'' [الاسراء:٧٩]

نبی ﷺ نے بھی متعدد حدیثوں میں اس نماز کی ترغیب دی ہے اس کی فضیلت اور اجر عظیم بیان کر کے اس کی پابندی کا شوق دلایا ہے۔فرمایا:''شرف المومن صلاته بالليل وعزه استغناء ه عما في ايدى الناس''، ''مومن کا شرف اور اس کی برتری اس کی رات کی نماز ہے اور اس کی عزت وسرفرازی لوگوں کے مال سے اس کی بے نیازی ہے'' [صحیح الجامع: ٣٧١٠، الصحيحة:١٩٠٣]

اورفرمایا:''أَفْضَلُ الصَّلَاةِ، بَعْدَ الْفَرِيضَةِ، صَلَاةُ اللَّيْلِ''،''فرض نماز کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے'' [مسلم:١١٦٣]

اورفرمایا:''ثلاثة يحبهم اللّٰه ويضحك إليهم ويستبشربهم:...... والذى له امراة حسنة وفراش لين فيقوم من الليل فيقول:يذرشهوته ويذكرني لوشاء رقد، والذى إذا كان فى سفر وكان معه ركب فسهروا ثم هجعوا فقام من السحر ضراء وسراء''

''تین طرح کے لوگ ایسے ہیں جن کو اللہ پسند کرتا ہے ان سے ہنستا ہے اور خوش ہوتا ہے۔۔۔جس کے پاس خوبصورت عورت اور نرم گداز بستر ہے اور وہ قیام اللیل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اپنی شہوت وخواہش کو ترک کر کے مجھے یاد کرتا ہے، اگر چاہتا تو سو جاتا، اور جو آدمی سفر میں قافلے کے ساتھ ہوتا ہے وہ رات میں جاگتے ہیں پھر سو جاتے ہیں، مگر وہ سحر کے وقت خواہ تکلیف ہو یا آرام قیام کرتا ہے'' [حاکم:٢٥/١، صحيح الترغيب: ٦٢٩]

اورفرمایا:''إن فى الليل لساعة لايوافقها رجل مسلم يسال اللّٰه خيرا من امر الدنيا والآخرة إلا اعطاه إياه وذلك كل ليلة''، ''رات میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ اسے کوئی بھی مسلم آدمی اس حال میں پائے کہ وہ

اللہ سے دنیا وآخرت کی بھلائی کا سوال کررہا ہوتو اللہ تعالیٰ اس کو عطا کرتا ہے اور یہ ہر رات کا معاملہ ہے''[مسلم:۷۵۷]

یہ آیتیں اور حدیثیں مطلق طور سے قیام کی فضیلت اور اہمیت بیان کرتی ہیں اسی لئے اہل علم اسے مستحب قرار دیتے ہیں شیخ حسین عوایشہ نے کہا:''**قیام اللیل سنة مستحبة وقدورد فی الترغیب فیه العدید من النصوص** ''

[الموسوعة الفقهية الميسرة: ۱۳۹/۲/]

قیام رمضان کی فضیلت:

یہ معاملہ تو سال بھر رات کی نماز کا ہے اگر اس کے ساتھ رمضان کی رات بھی جمع ہوجائے تو معاملہ دوبالا ہوجائے گا، اور عام فضیلت خصوصی فضیلت کے ہم رکاب ہوکر اجر میں اضافہ کی باعث اور حکم کے مؤکد ہونے کا سبب ہوگی۔

نبی ﷺ نے جس طرح مطلق طور سے قیام اللیل کی فضیلت بیان کی ہے اسی طرح رمضان کی راتوں میں نماز تراویح کی عظمت کو بھی اجاگر کرکے مومن کو اس میں سبقت اور اس پر مواظبت کی ترغیب دلائی ہے۔

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے لیکن اس میں کسی عزیمت (تاکید، وجوب) کا حکم نہ دیتے تھے اور فرماتے تھے:''**مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ**'' ''جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کرے گا (یعنی رمضان کی راتوں میں نماز کا اہتمام کرے گا) اس کے گزرے ہوئے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے''[بخاری:۳۷،مسلم: ۷۵۹]

ایک دوسری روایت میں ہے: ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! اگر میں گواہی دوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں، پانچوں نمازیں ادا کروں، زکاۃ دوں، رمضان کا روزہ رکھوں اور اس کا قیام کروں، تو میں کن لوگوں میں سے ہوں گا، فرمایا: تم صدیقین اور شہداء میں سے قرار پاؤ گے۔[ابن خزيمه۳/ ۳٤۰ (۲۲۱۲)،صحيح الترغيب :۱۰۰۳]

اسی لئے شیخ حسین عوایشہ نے کہا:'' **قیام رمضان سنة تودی بعد صلاة العشاء قبل الوتر** ''[الموسوعة الفقهية الميسرة:۱٤۹/۲] امام البانی نے کہا:''**وليس صلاة التراويح من النوافل المطلقة حتى يكون للمصلى الخيار فى ان يصليها باى عدد شاء بل هى سنة موكدة** ''[صلاة التراويح:۲٦]

رمضان کی راتوں میں قیام اور تہجد کا اہتمام کرنا جس طرح گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے اسی طرح رب کی رضامندی اور اس کی جنت حاصل کرنے کا راستہ بھی ہے، اور اسی لئے رمضان میں قیام اللیل کو اہل علم نے ایک مخصوص نام دیا ہے، جو اگرچہ کہ قرآن وحدیث میں وارد نہیں ہے مگر اس کو سب نے متفقہ طور پر اس نماز کے لئے منتخب کیا ہے

یعنی تراویح جونماز سال کی بقیہ راتوں میں صلاۃ اللیل، قیام اللیل اور تہجد کہلاتی ہے، وہی نماز رمضان میں تراویح کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اور ولا مشاحۃ فی الاصطلاح کے مطابق اس میں بظاہر کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

باجماعت تراویح:

تراویح کی نماز باجماعت نہ صرف مشروع ہے بلکہ جماعت سے پڑھنا تنہا پڑھنے سے افضل ہے۔شیخ حسین عوایشہ نے کہا:"**وتشرع الجماعة فی قیام رمضان بل هی افضل من الانفراد لإقامة النبی ﷺ لها بنفسه وبیانه لفضلها**"[الموسوعة الفقهية الميسرة:۲/۱۵۱]

شیخ البانی نے کہا:"**لا یشک عالم الیوم بالسنة فی مشروعیة صلاة اللیل جماعة فی رمضان ، هذه الصلاة التی تعرف بصلاة التراویح لامور ثلاثة**":

أ۔ إقراره ﷺ الجماعة فیها. ب۔ إقامته لها. ج۔ بیانه لفضلها.[صلاة التراويح:۱۰]

اس کے بعد انہوں نے ان تینوں طرح کے دلائل کا تذکرہ کیا ہے اسی لئے صحابہ اس کا اہتمام کرتے تھے،عمر رضی اللہ عنہ کا اسے باجماعت پڑھانے کا حکم دینا تو متفق علیہ ہے اور اسی لئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہ نماز جماعت سے پڑھاتے تھے،زید بن وہب کہتے ہیں:عبداللہ (ابن مسعود) ہمیں ماہِ رمضان میں نماز پڑھاتے تھے اور رات میں فارغ ہوجاتے تھے۔[عبدالرزاق:۷۷۴۱]

معلوم ہوا کہ تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنا تنہا پڑھنے سے افضل ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے کسی نے کہا: آپ کو رمضان میں تنہا آدمی کی نماز پسند ہے یا جماعت کے ساتھ؟ فرمایا: جماعت کے ساتھ، اور کسی نے کہا: تراویح کو آخری رات تک مؤخر کرکے پڑھے؟ کہا: نہیں، مسلمانوں کی سنت مجھے زیادہ پسند ہے۔[مختصر قيام الليل:۹۱]

رکعات تراویح:

اب سوال یہ ہے کہ قیام رمضان کی رکعات کتنی ہوں؟ نماز تراویح کتنی رکعت پڑھی جائے؟ تو اس سلسلے میں نبی ﷺ کا اسوہ بہت واضح ہے، وہ ہے گیارہ رکعات کی پابندی، یہ بات سب لوگوں کے یہاں متفق علیہ ہے کہ نبی ﷺ اتنی ہی رکعتیں پڑھتے تھے،اس کے بعض دلائل اس طرح ہیں:

۱۔ ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا، رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسی تھی؟ فرمایا:"**مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً**" "نبی ﷺ رمضان اور رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں بھی گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے"[بخاری: ۲۰۱۳، مسلم:۷۳۸]

۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:"**كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ**

صَلاۃِ الْعِشَاءِ" وَهِيَ الَّتِي يَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَةَ إِلَى الْفَجْرِ"، إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ، وَيُوتِرُ بِوَاحِدَةٍ" "نبی ﷺ عشاء کی نماز" جسے لوگ تاریکی کی نماز کہتے ہیں" سے فراغت اور فجر کے درمیان گیارہ رکعات نماز پڑھتے تھے اور ہر دو رکعت میں سلام پھیرتے تھے اور ایک رکعت وتر پڑھتے تھے" [مسلم: ٧٣٦]

۳۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "صلى بنا رسول الله ﷺ في شهر رمضان ثماني ركعات واوتر..." "نبی ﷺ نے ماہِ رمضان میں ہم کو نماز پڑھائی آٹھ رکعت اور پھر وتر پڑھائی" [ابن حبان: ٢٤٠٩، من الاحسان، ابن خزيمة: ١٠٧٠، ابويعلى: ١٧٩٦] شیخ البانی نے کہا: "**صحيح لغيره**" [صحيح موارد الظمان: ١/ ٣٩١(٧٦٣)] اور صلاۃ التراویح: ۲۱ میں کہا: "**وسنده حسن بما قبله**"

۴۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "جاء ابی بن كعب الی رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله إنه كان منى الليلة شيى يعنى فى رمضان، قال: وماذايا ابى؟ قال: نسوة فى دارى قلن: إنا لا نقرا القرآن فنصلى بصلاتک قال: فصليت بهن ثمان ركعات ثم اوترت قال: فكان شبه الرضا ولم يقل شيئا" "ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ رات میں مجھ سے کچھ کام ہو گیا ہے، (مجھ سے کچھ حرکت سرزد ہوگئی ہے) یعنی رمضان میں، فرمایا: اے ابی! وہ کیا ہے؟ کہا: میرے محلّہ کی عورتوں نے کہا: ہم قرآن نہیں پڑھ سکتے، لہٰذا ہم آپ کی اقتدا میں نماز پڑھیں گی، انہوں نے کہا: تب میں نے انہیں آٹھ رکعات نماز پڑھائی اس کے بعد وتر پڑھائی، راوی نے کہا: یہ شبہ رضامندی (یا رضامندی کی سنت تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں کچھ نہیں کہا" [مسند ابويعلى: ١٧٩٥، مختصر قيام الليل للمروزى: ٩٠] دیکھیں: [صلاة التراويح: ٧٩]

۵۔ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے کہا: "امر عمر رضى الله عنه ابى بن كعب و تميما الدارى ان يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة" "عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو (قیام اللیل میں) گیارہ رکعت نماز پڑھائیں" [المؤطا للامام مالك: ٣٠٢، بيهقى: ٢/ ٤٩٦]

عشاء اور فجر کے درمیان گیارہ رکعت سے زیادہ قیام اللیل کا حکم:

ان تمام دلائل میں اس بات کا قوی ثبوت ہے کہ نبی ﷺ رات کی نماز گیارہ رکعت ہی پڑھتے تھے اس پر کبھی بھی اضافہ نہ کرتے تھے، حتیٰ کہ وہ راتیں جن میں آپ پوری رات جاگتے تھے اس میں بھی اور وہ راتیں جن میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو جماعت سے تراویح پڑھائی تھی ان میں بھی، ان میں سے کسی بھی موقعے پر نبی ﷺ نے گیارہ سے زیادہ نہ پڑھی تھی اور نہ پڑھائی تھی، لیکن ہر سال رمضان میں اور خاص کر شب قدر میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ تراویح کے

بعد اگر کوئی گیارہ سے زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ عام طور سے لوگ یہی کہتے ہیں کہ گیارہ سے زیادہ نفل کی نیت سے پڑھ سکتا ہے،؟ مگر دلیل کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ اسلاف میں سے بہت سے لوگ پڑھتے تھے؟ یعنی نہ نبی نے اور نہ صحابہ نے بلکہ بعد میں بعض تابعین نے گیارہ سے زیادہ ادا کیا ہے؟!! مگر سوال یہ ہے کہ اگر گیارہ پر اضافہ مطلوب تھا تو نبی ﷺ اور صحابہ کے قول وعمل سے اس کی تائید کیوں نہیں ہوتی؟ پوری زندگی نبی ﷺ نے اس سے زیادہ کیوں ادا نہ کیا؟ جب کہ واضح ہے کہ اس سے کم پڑھنا آپ ﷺ کے معمولات مبارکہ میں داخل تھا اور اگر اضافہ مطلوب تھا تو آپ ﷺ نے اپنے قول یا فعل سے کبھی اس اضافہ کی طرف اشارہ کیوں نہ کیا؟

اور پھر تابعین کا عمل شرعی دلیل کب سے ہوگیا کہ اس کی بنیاد پر اسوۂ نبی میں اضافہ کو درست قرار دیا جائے؟!

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تراویح کی جو عدد نبی ﷺ سے ثابت ہے، اس پر اضافہ کو درست قرار دینے سے پہلے درج ذیل چیزوں پر ضرور غور کرلیا جائے:

(۱) عشاء اور فجر کے درمیان نبی ﷺ سے جو نماز ثابت ہے وہ صرف گیارہ رکعت ہے، البتہ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنا، قیام اللیل شروع کرنے سے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھنا، (جیسا کہ نبی ﷺ کا معمول تھا، عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''**كان إذا قام من الليل ليصلي افتتح صلاته بر كعتين خفيفتين مسلم**'')[مسلم: ۷۶۷] اور عشاء کے بعد دو سنت مؤکدہ اور اس کے بعد چار نفلی رکعات (نبی ﷺ عشاء پڑھ کر گھر آتے تو کبھی کبھی چار رکعت نماز پڑھتے تھے) دیکھیں: [صحیح الترغیب: ۵۹۱] وہ یہ نمازیں ہیں جن کی ادائیگی نبی ﷺ سے ثابت ہے اور وہ گیارہ سے زیادہ ہیں چونکہ یہ نمازیں ثابت ہیں اس لئے ان کا استثناء کردیا جائے گا، البتہ ثابت پر غیر ثابت کا قیاس درست نہ ہوگا، یعنی یہ کہنا کہ ان حدیثوں میں عشاء اور فجر کے درمیان گیارہ سے زیادہ پڑھنا ثابت ہے اس لئے اگر اس سے بھی زیادہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے؟ یہ بات درست نہیں ہے کیوں کہ یہ قیاس ہے اور بذریعہ قیاس عبادت کا اثبات محل نظر ہے، مثلاً نماز کا حکم ثابت ہے اب اگر اس پر قیاس کر کے نماز قضاء عمری وغیرہ کو درست کہا جائے گا تو غلط ہوگا۔

کیا وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے کبھی ایک مرتبہ بھی گیارہ سے زائد نہ پڑھی ایک مرتبہ ہی پڑھی ہوتی تاکہ امت کی رہنمائی ہوجاتی یا اجازت ہی دے دی ہوتی؟ تاکہ سند بن جاتی، ایسا نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس سے واضح نہیں ہوتا ہے کہ اصل میں اس سے زیادہ رکعات مطلوب ہی نہ تھیں اس لئے نبی ﷺ نے اضافہ بیان نہ کیا نہ قولاً نہ فعلاً نہ تقریراً البتہ کمی کی جاسکتی تھی اس لئے اس کو فعلاً بیان کردیا۔

۲۔ نبی ﷺ ایک نماز میں متعین رکعات کی عمر بھر پابندی کریں اور کبھی بھی اس سے زائد نہ پڑھیں اور ہم سمجھیں کہ ہم اس سے زیادہ پڑھ سکتے ہیں کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نبی ﷺ سے زیادہ اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں؟ ورنہ

پھر اس اضافہ کا کیا مطلب ہے؟! کیا نبی ﷺ کی اختیار کردہ رکعات تراویح کم ہیں کہ ان پر اضافہ کیا جائے؟ یا ہم نبی ﷺ سے بڑے عابد وزاہد ہیں جو نبی ﷺ کی عبادت پر اضافہ کے خواہاں ہیں؟! جب کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے: "**وایکم یطیق ماکان رسول اللہ ﷺ یطیق**" [بخاری:۱۹۸۷]

ذرا غور کریں! اضافہ کی وجہ کیا ہے؟ کون سا جذبہ ہے جو اس پر آمادہ کر رہا ہے؟ کیوں ہم نبی ﷺ سے زیادہ پڑھنا چاہتے ہیں؟!

۳۔ ایک حدیث میں ہے: "کہ نبی ﷺ نے ایک کام کیا اور اس کی رخصت دی، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اس کام سے بچتے ہیں تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: کیا بات ہے کچھ لوگ ایسے کام سے بچنا چاہتے ہیں جس کو میں کرتا ہوں، اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں" [بخاری: ۷۳۰۱]

نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں موجود کسی بھی جزء سے تغافل، تحرز اور بطور ورع اس سے بچنے والے کے لئے نبی ﷺ کا یہ فرمان کس قدر شدید ہے، ذرا سوچیں! زندگی بھر نبی ﷺ نے جس عدد کی پابندی کی ہے اور کبھی بھی اس پر اضافہ نہیں کیا ہے، اس پر اضافہ کا مطلب یہی تو ہے کہ وہ عدد ہمارے لئے کافی نہیں ہے؟ تبھی تو جذبۂ تعبد سے مغلوب ہو کر تکثیر رکعات کی کوشش کی جاتی ہے؟ اگر یہ اسوۂ نبی ﷺ ہمارے لئے کافی ہے تو اس پر اضافہ آخر کیوں؟ جذبۂ تعبد ہی تو اس امر کا حامل ہے؟! مگر جذبۂ اتباع اور اسوۂ حسنہ کی پیروی کی سعادت مندی کدھر گئی؟!

ایک مومن انسان جو کہ متبع سنت ہو وہ کیوں چاہے گا کہ نبی ﷺ کی نماز سے زیادہ نماز پڑھے؟ کیا وجہ ہے کہ وہ زائد نماز کے بارے میں فکر مند ہے؟! اور نبی ﷺ کی رکعاتِ نماز کو کافی نہیں سمجھتا؟! کہیں ایسا تو نہیں کہ اسوۂ حسنہ کو مکمل ماننے میں کہیں سے کوئی رخنہ پڑ رہا ہے؟!

۴۔ نماز کسوف اور نماز استسقاء کی ایک متعین صورت اور متعین تعدادِ رکعات ثابت ہے اور بالاتفاق ان پر اضافہ ناروا سمجھا جاتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ نبی ﷺ نے کبھی اس سے زیادہ نہیں پڑھی اور تا عمر کبھی اس پر اضافہ نہیں کیا، غور کریں! یہی حال تو تراویح کا بھی ہے کہ آپ نے کبھی بھی گیارہ سے زیادہ نہ ادا کی، پھر اس پر اضافہ کیسے بہتر ہو گیا؟ ایک عدد کی پابندی اور متعین رکعت پر مواظبت جب بعض نمازوں میں عدم اضافہ کی دلیل ہے تو یہی عمل یعنی متعین رکعات پر مداومت قیام اللیل اور تراویح کے سلسلے میں کیوں دلیل نہ ہوگا؟

۵۔ اگر کوئی آدمی سنتِ موکدہ فجر سے پہلے چار اور عشاء کے بعد چار پڑھنا چاہے تو کیا جائز ہوگا؟ ظاہر ہے کہ نہیں! کیوں؟ اس لئے کہ نبی ﷺ نے یہ سنتیں دو ہی پڑھی ہیں، اور ان کی پابندی کی ہے اور کبھی بھی اس پر اضافہ نہیں کیا ہے! بالکل ٹھیک! یہی بات تو تراویح کے بارے میں بھی آتی ہے کہ نبی ﷺ نے گیارہ رکعت کی پابندی کی ہے اور کبھی اس پر اضافہ نہیں کیا ہے تو پھر ہمارے لئے اس پر اضافہ کس طرح روا ہوگا؟ امام البانی نے کہا: "**فإذا استظهرنا فی اذهاننا**

ان السنن الرواتب وغيرها كصلاة الاستسقاء والكسوف التزم النبي ﷺ ايضا فيها جميعا عددا معينا من الركعات وكان هذا الالتزام دليلا مسلما عندالعلماء على انه لايجوز الزيادة عليها فكذلك صلاة التراويح لايجوز الزيادة فيها على العدد المسنون، لاشتراكها مع ا لصلوات المذكورات في التزامه ﷺ عددا معينا فيها لايزيد عليه، فمن ادعى الفرق فعليه الدليل، ودون ذلك خرط القتاد "[صلاة التراويح: ۲۵-۲۶] **نیز دیکھیں:** [الموسوعة الفقهية الميسرة: ۲/۱۵۵]

۶۔ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے متعدد آیتوں میں قیام اللیل کا حکم دیا ہے جو کہ رکعات کے اعتبار سے **مجمل** ہے، اور نبی ﷺ نے حکم الٰہی کی تعمیل میں ہمیشہ گیارہ رکعات قیام اللیل کیا ہے کیوں کہ: "**لم يثبت عن النبي ﷺ انه صلى التراويح اكثر من إحدى عشرة ركعة**" [الموسوعة الفقهية الميسرة: ۲/۱۵۳] **مطلب یہ کہ فعل نبی ﷺ** ان آیتوں کا اگر بیان ہو تو چونکہ بیان اور مبیّن کا حکم ایک ہوتا ہے اس لئے ایسی صورت میں اگر ہم نے اضافہ کیا تو ہم مخالف اتباع نہ قرار پائیں گے؟!

اس کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ فعل نبوی حکم الٰہی کا بیان ہے اور بیان میں کبھی بھی گیارہ پر اضافہ وارد نہیں ہے تو ایسی صورت میں اگر اضافہ کیا جائے تو کیا یہ حکم الٰہی کی مخالفت نہ ہوگی؟

صلاۃ اللیل کا حکم دینے والی آیتوں کا بیان صلاۃ اللیل کی حدیثیں ہیں اگر ان میں وارد عدد پر اضافہ ہوا تو کیا یہ براہِ راست حکم الٰہی پر اضافہ متصود نہ ہوگا؟! ذرا اطمینان سے غور کر لیں۔

۷۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا: **صمنا مع رسول الله ﷺ فلم يقم بنا شيئا من الشهر حتى بقي سبع فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل، فلما كانت السادسة لم يقم بنا فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل فقلت يارسول الله: لو نفلتنا قيام هذه الليلة فقال: ان الرجل إذا صلى مع الامام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة فلما كانت الرابعة لم يقم، فلما كانت ا لثالثة جمع اهله ونساءه والناس ، فقام بنا، حتى خشينا ان يفوتنا الفلاح قال: قلت: ماالفلاح؟ قال: السحور، ثم لم يقم بنا بقية الشهر.**

"ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روزہ رکھا، آپ نے ہمیں مہینے میں ذرا بھی قیام اللیل نہیں پڑھائی، یہاں تک کہ صرف سات[۸] بچے (اسی کو نعمان بن بشیر کی روایت میں وضاحت کے ساتھ تیئسویں رات کہا ہے) تو آپ نے ہمیں قیام اللیل پڑھائی، یہاں تک کہ تہائی رات ختم ہوگئی، پھر چھ رات بچی تو آپ نے ہمارے ساتھ قیام ادا نہ کیا اور جب پانچ راتیں بچیں تو آپ نے ہمیں قیام اللیل پڑھائی یہاں تک کہ نصف رات ہوگئی، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر

بقیہ رات بھی آپ ہمیں قیام اللیل پڑھا دیتے (تو بہتر ہوتا) آپ نے فرمایا: آدمی جب امام کے ساتھ نماز پڑھ کر فارغ ہوتو اس کے لئے رات بھر کا قیام شمار کیا جاتا ہے، پھر جب چار راتیں بچیں، تو آپ نے قیام نہ پڑھائی، مگر جب تین راتیں بچیں تو آپ نے گھر والوں، بیویوں، اور لوگوں کو جمع کیا اور ہمیں قیام اللیل پڑھایا، حتیٰ کہ ہمیں خوف ہوا کہ کہیں فلاح نہ چھوٹ جائے، راوی نے کہا: فلاح کیا ہے؟ فرمایا: سحری، پھر آپ نے مہینے کے باقی حصے میں ہمیں قیام اللیل نہ پڑھایا)[ابو داؤد:۳۷۵ ترمذی:۱۳۲۷،نسائی:۱۳٦٤،۱۳٦٥،ابن ماجة:۸۰٦] (دیکھیں صلاۃ التراویح:۱۷)

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ واقعہ روایت کیا ہے اور اس میں تیئسویں، پچیسویں، اور ستائیسویں رات کی تعیین ہے۔ دیکھیں:[احمد:۲۷۲/٤، نسائی:٦۰٦،صلاة التراويح:۱۱]

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ صحابہ نے نبی ﷺ سے مزید نماز پڑھانے کا مطالبہ کیا تھا مگر نبی ﷺ نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا، اس حدیث کو جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ملایا جائے کہ اس رات بھی آپ نے گیارہ ہی پڑھائی تھی تو مسئلہ بالکل صاف ہے، کہ نبی ﷺ کا اپنی زندگی میں کسی عمل کو سبب پائے جانے اور مانع نہ ہونے کے باوجود ترک کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ترک سنت ہے اور اسے انجام دینا بدعت ہے کیا یہ قاعدہ یہاں منطبق نہ ہوگا؟ ورنہ پھر کیا وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرام کی درخواست قبول نہ کی اور نہ ہی یہ کہا کہ تم لوگ جاؤ تنہا تنہا پڑھ لو، یعنی اگر جماعت سے نہیں تو تنہا پڑھنے کی اجازت دینے میں کیا حرج تھا اگر یونہی مطلق طور سے رات بھر نفلی نماز پڑھنا جائز تھا؟! کیا یہ اشارۃ النص نہیں ہے کہ تم کو مزید نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ تمہیں رات بھر نماز پڑھنے والوں میں شمار کر لیا گیا ہے، یہاں مطالبہ بھی ہے وقت بھی جذبۂ تعبد بھی ہے، شوق عبادت بھی نہ کوئی انکار ہے نہ کوئی مانع اس کے باوجود درخواست قبول نہ کی جارہی ہے بلکہ اسے رد کر دیا جارہا ہے، یہ کہہ کر کہ تم تو امام کے ساتھ نماز پڑھ کر فارغ ہونے کی وجہ سے شب بھر قیام کا اجر حاصل کر چکے ہو، اگر مزید رکعات کی گنجائش تھی تو صحابہ کرام کی خواہش پر بند باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور یہ کہنے میں کیا مضائقہ تھا کہ تم لوگ جاؤ تنہا تنہا پڑھ لو، مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا جو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ آپ اس سے زیادہ پڑھنے کو بہتر نہیں سمجھتے تھے۔

اس حدیث پر اگر غور کیا جائے تو جذبۂ تعبد سے مغلوب اور نفلی نمازوں کی اجازت دینے والے لوگوں کو احساس ہوگا کہ اسوۂ نبی ﷺ کے برخلاف گیارہ رکعتوں سے زیادہ کی خواہش صحابہ کرام کے دل میں بھی اٹھی تھی، مگر شارع علیہ السلام نے اس کا ذرا بھی لحاظ نہ کیا تو پھر بعد کے لوگوں کا اس کی رعایت کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟!

یہ حدیث بہت واضح انداز میں یہ تفہیم کر رہی ہے کہ رات میں گیارہ سے زیادہ قیام اللیل نہ تو نبی ﷺ کا طریقہ ہے

اورنہ ہی صحابہ کرام کا اور شاید اسی بات کا اثر ہے کہ کسی بھی صحابی سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی گیارہ سے زیادہ نماز پڑھی ہو،امام البانی نے کہا:"**لم یثبت ان احداً من الصحابة صلاها عشرین**" اورکہا: "**هذا کل ما وقفنا علیه من الآثار المروية عن الصحابة رضی اللّٰه عنهم فی الزیادة علی ما ثبت فی السنة فی عدد رکعات التراویح و کلها ضعیفة لم یثبت منها شیی**"[صلاة التراویح:۷۶،۸۲]

میں نے بعض فضلا کو دیکھا کہ وہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے گیارہ سے زیادہ تراویح پڑھی ہے،قیس بن طلق کہتے ہیں:"**زارنا طلق بن علی فی یوم من رمضان وامسی عندنا وافطر، ثم قام بنا تلک اللیلة واوتربنا ثم انحدر إلی مسجده فصلی باصحابه حتی إذا بقی الوتر قدم رجلا فقال:اوتر باصحابک فإنی سمعت رسول اللّٰه ﷺ یقول:لا وتران فی لیلة**[ابوداؤد:۱۴۳۹، ترمذی:۴۷۰] (اس میں واقعہ نہیں ہے) (رمضان میں ایک دن طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے ہماری زیارت کی اور شام تک ہمارے پاس ٹھہرے اور افطار کیا، پھر ہمیں قیام اللیل اور وتر پڑھائی، پھر اپنی مسجد کی طرف گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی اور جب صرف وتر باقی رہ گئی تو ایک آدمی کو آگے کر دیا اور کہا: اپنے اصحاب کو وتر پڑھاؤ کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ایک رات میں دو وتر نہیں ہے)

غور کریں:

(أ) اس حدیث میں رکعات کا تذکرہ بالکل نہیں ہے، پھر تعداد رکعات کے لئے استدلال کیسے مناسب ہوگا؟

(ب) صحابی کا یہ عمل نبی ﷺ کی گزشتہ حدیث سے متعارض ہے تو دلیل تنہا صحابی کا عمل ہوگا یا فرمانِ نبی؟!

(ج) یہ ثابت کیا جائے کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ کو حدیث ابوذر معلوم تھی اس کے باوجود انہوں نے اس کی مخالفت کی اور گیارہ سے زیادہ قیام اللیل کیا؟!

(د) یہ ایک صحابی کا عمل ہے جس کی تائید میں دوسرا کوئی صحابی موجود نہیں ہے، بلکہ یہ عمر رضی اللہ عنہ کے اس خلافتی فرمان کے بھی مخالف ہے جس میں انہوں نے اپنے ائمہ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

(ھ) اصل بات یہ ہے کہ یہ حدیث اس مسئلہ کی دلیل ہے ہی نہیں کیوں کہ یہ استثنائی واقعہ ہے، اس لئے کہ فرض نماز ایک دن میں دو مرتبہ پڑھنے سے نبی ﷺ نے منع کیا ہے، فرمایا:"**لا تصلوا صلاة فی یوم مرتین**" [ابوداؤد:۵۷۹] اس کے باوجود معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نماز عشاء نبی ﷺ کے ساتھ پڑھنے کے بعد جا کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے،[بخاری:۷۰۱،مسلم:۴۶۵] تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ دو مرتبہ یہ نماز جائز ہے؟نہیں بلکہ اس

کا مطلب یہ ہے کہ اس جیسی استثنائی صورت میں بطور نفل رخصت ہے اسی طرح وہ جو دوسری روایت ہے کہ جنہوں نے گھر میں نماز پڑھ لیا تھا ان سے نبی ﷺ نے فرمایا: دوبارہ ایسا نہ کرنا، اور جب تم گھر میں نماز پڑھ چکو اور امام کو پاؤ تو اس کے ساتھ پڑھ لو یہ تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔[احمد:٤/١٦١، ترمذی:٢١٩]

اس میں ایک ہی نماز کی دوبارہ ادائیگی کی اجازت ہے مگر یہ قاعدہ عامہ نہیں ہے بلکہ استثنائی صورت ہے جو کہ حدیث میں مذکور ہے، اسی طرح ہماری زیر بحث حدیث میں بھی ہے کہ وہ ایک استثنائی صورت ہے کہ وہ بطور مہمان اپنے میزبانوں کی دلجوئی چاہتے تھے اور دوبارہ اپنی مسجد جس میں وہ امام تھے اس میں تو ان کو نماز پڑھانا ہی تھا، اسی لئے تو لوگوں نے ان کے آنے تک ان کا انتظار کیا تھا؟! اور اسی لئے اپنی مسجد میں دوبارہ اس سے زیادہ پڑھنا یا پڑھانا خود انہیں سے ثابت نہیں ہے، اگر وہ اضافہ کو بہتر سمجھتے تو اس پر عمل کیوں نہ کرتے؟!

۸۔ ان تمام باتوں کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تب بھی یہ بات باقی رہے گی کہ انسان کے لئے افضل کیا ہے؟ وہ جس کی نبی ﷺ نے پابندی کی یا وہ جو وہ خود پسند کرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ: خیر الہدی ھدی محمد ﷺ [مسلم :٨١٧] کی موجودگی میں ایک متعبد اور نمازی کے لئے یہی اولیٰ اور افضل ہے کہ رکعات تراویح اور قیام اللیل کے سلسلے میں وہ نبی ﷺ کے اسوہ کو حرزِ جاں بنائے۔

واضح رہے کہ کثرت عبادت اور وفورِ تقویٰ میں کوئی امتی نبی ﷺ کے گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا اس لئے اگر آپ ﷺ کے عمل کی کیفیت کے ساتھ ظاہری شکل وصورت کی بھی پابندی کی جائے تو یہ بہتر ہوگا۔

حدیث میں ہے نبی ﷺ سے پوچھا گیا: "ای الصلاۃ افضل "؟ "کون سی نماز افضل ہے؟ فرمایا: "طول القنوت" "لمبا قیام، نماز کو لمبی پڑھنا یہ افضل ہے، لہٰذا اگر زیادہ عبادت کا شوق ہے تو انسان رکعات میں اضافہ کے بجائے قیام میں اضافہ کر کے نماز کو لمبی کر لے، اس میں فضیلتِ تطویل اور فضیلتِ اتباع دونوں انسان کو حاصل ہو جائے گی۔

جب ہمارے لئے نماز کو لمبی کرنے کا اسوۂ نبی قولاً وفعلاً وتقریراً تینوں موجود ہے تو کیوں نہ اس کی پابندی کر کے جذبۂ تعبد کی تسکین کر لی جائے؟

۹۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اسی عدد پر اکتفا کیا جائے جس پر نبی ﷺ نے اکتفا کیا ہے، کیوں کہ اگر اس سے زیادہ نفل جائز ہوا اور ہم نے نہ پڑھا تو کوئی سوال نہ ہوگا، لیکن اگر اس سے زیادہ پڑھنا ہمارے لئے درست نہ ہوا اور ہم پڑھتے رہے تو یہ ہمارے لئے شدید حرج کی بات ہے، اور ثابت عدد میں ایک مزید فائدہ یہ ہے کہ اسوۂ رسول کو ناقص سمجھنے کی جو تہمت وارد ہوتی ہے اس سے بھی ہمارا دامن پاک وصاف ہو جائے گا۔

نبی ﷺ سے ثابت رکعات تراویح کی پابندی ہمارے لئے دنیا وآخرت دونوں جہاں کی کامیابی کی ضامن ہے

البتہ اگر اس کی موافقت نہ ہوتو پھر اس کامیابی کی ضمانت مفقود یا کم از کم مشکوک ہوجاتی ہے، ایسی صورت میں ہمارے لئے کیا بہتر ہے؟ ذرا سوچیں!

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ گیارہ سے زیادہ قیام وتراویح کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ وہ مشکوک ہے، درست ہے یا نہیں؟ تو کیوں نہ مشکوک کو ترک کر کے متیقن کو اپنایا جائے اور نبی ﷺ سے ثابت رکعات کی پابندی کی جائے!!

یہ جو سوالات میں نے قائم کئے ہیں ان کا مطلب صرف اہل علم کو دعوتِ غور وفکر دینا ہے کسی پر انحراف وضلالت اور بدعت وگمراہی کا حکم لگانا ہرگز مقصود نہیں ہے اور بالخصوص اہلحدیثوں کو اتباع کی اہمیت یاد دلانی مقصود ہے، کہ اگر قیام اللیل میں بھی اس کی پابندی کی جائے تو کتنا اچھا ہوگا؟!

الحمدللہ تمام اہلحدیث مساجد میں ثابت عدد کی پابندی کی جاتی ہے مگر قدر کی راتوں میں تراویح کے علاوہ مزید نوافل کو درست سمجھ کر ادا کرنے کی اجازت دینا یہ محل نظر ہے، کیوں کہ نبی ﷺ قدر کی راتوں میں شب بیداری کر کے عبادت کا جو انداز اپناتے تھے اس کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے، جب نبی ﷺ پوری رات جاگنے کے باوجود گیارہ رکعات پر اکتفا کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں؟!

شبہات وجوابات:

اس گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صلاۃ اللیل کے لئے عشاء اور فجر کے درمیان جو سنت نبوی ہے وہ ہے گیارہ رکعت کی پابندی، نبی ﷺ اور کسی بھی صحابی سے اس سے زیادہ صلاۃ اللیل ثابت نہیں ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ اہل علم نے اس عدد سے زیادہ نفل کی اجازت کیوں دی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

اَ۔ پہلی دلیل تو گزر چکی ہے کہ بعض تابعین عظام کا عمل، اس کا جواب بھی گزر چکا ہے کہ یہ شرعی حجت نہیں ہے۔

ب۔ دوسری دلیل وہ عام نصوص ہیں جن میں مطلق طور سے رات کی نماز پڑھنے کا حکم ہے اور کسی متعین عدد کی پابندی کا ذکر نہیں ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ ''رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کریں یہ زیادتی آپ کے لئے ہے عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا'' [الاسراء:۷۹]

رات میں کتنی نماز پڑھیں اللہ نے اس کی تعیین نہ کی معلوم ہوا کہ جتنی چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔

نبی ﷺ سے بعض حدیثوں میں بھی رات کی نماز کی ترغیب وارد ہے مگر تعیین نہیں ہے جو اس کے مطلق اور غیر متعین ہونے کی دلیل ہے اس لئے انسان جتنا چاہے پڑھ سکتا ہے مثلاً:

ا۔ ''من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه'' ''جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کرے گا اس کے گزشتہ گناہ معاف کردیئے جائیں گے'' [بخاری:۳۷،مسلم:۷۵۹]

ب۔ ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے جب نبی ﷺ نے کہا: مانگو تب انہوں نے کہا: میں جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں، اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''اعنی علی نفسک بکثرة السجود'' ''تم کثرت سجدہ کے ذریعہ اپنے نفس کے خلاف میری مدد کرو'' [مسلم:۴۸۹] یعنی نوافل کی کثرت تمہاری اس خواہش کی تکمیل میں میری معاون بنے گی، اس میں نبی ﷺ نے مطلق طور سے نوافل کی ترغیب دی کسی عدد کی تعیین نہ کی۔

ج۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سے جب ایک آدمی نے پوچھا: ''کیف صلاة اللیل''؟ ''رات کی نماز کیسے پڑھی جائے''؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''صلاة اللیل مثنی مثنی فإذا خشی احدکم الصبح صلی رکعة واحدة توترما قد صلی'' ''رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب تم میں سے کسی کو (طلوع) صبح کا خوف ہو تو ایک رکعت نماز پڑھ لے جو اس کی پڑھی ہوئی تمام نمازوں کو وتر بنادے گی'' [بخاری:۹۹۰،مسلم:۷۴۹]

اس میں بھی نبی ﷺ نے مطلق طور سے دو دو رکعت پڑھنے کی اجازت دی مگر کسی عدد کی تعیین نہ کی۔

اس طرح کے عام نصوص سے اہل علم نے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان رات میں جتنی نفلی نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے ان کی کوئی تحدید نہیں ہے،

مگر یہ بات درست نہیں ہے، اس لئے کہ جن نوافل کی تعیین شارع نے اپنے قول وفعل سے کردی ہے ان کو ان نصوص کی وجہ سے مطلق سمجھنا اور تحدید سے عاری قرار دینا درست نہیں ہے، کیوں کہ قید، بیان اور تحدید آجانے کے بعد عام نص کو خاص اور مطلق نص کو مقید کردینا اہل علم کا متفقہ اصول ہے۔

اب ہمارے مسئلہ میں دیکھا جائے تو قیام اللیل یا تراویح مطلق نفلی نماز نہیں ہے بلکہ وہ سنت مستحبہ یا بقول البانی سنت مؤکدہ ہے اب ایسی صورت میں اس کو مطلق سمجھنا کس طرح درست ہوگا؟!

دوسری بات یہ ہے کہ: بیان کے مقابل میں اجمال کو، خاص کے مقابل میں عموم کو اور مقید کے مقابل میں اطلاق کو حجت بنانے کی کوشش کرنا منہج سے انحراف ہے، جب نبی ﷺ نے قول وفعل کے ذریعہ گیارہ رکعت کی پابندی کی ہے تو پھر یہ مطلق کہاں رہ گئی یہ تو گیارہ رکعت سے مقید ہوگئی اس لئے ان عمومات سے رکعاتِ تراویح کا کوئی تعلق نہیں ہے، یہ عام نصوص اس وقت حجت ہوتے جب نبی ﷺ سے اس کی تعیین وارد نہ ہوتی اور آپ نے کسی عدد کی پابندی کرکے اس کو متعین نہ کیا ہوتا اور جب آپ نے بیان کرکے متعین کردیا تو یہ عموم واطلاق بیان کردہ صورت میں حجت نہ رہا۔

امام البانی نے کہا:" **إن هذا تمسک واه جدا بل هی شبهة لا تساوی حکایتها کالتی قبلها ، فإن العمل بالمطلقات علی إطلاقها انما یسوغ فیما لم یقیده الشارع من المطلقات، اما إذا قیدالشارع حکما مطلقا بقید فإنه یجب التقید به وعدم الاکتفاء بالمطلق، ولما کانت مسالتنا (صلاة التراویح)لیست من النوافل المطلقة لانها صلاة مقیدة بنص عن رسول اللهﷺ... فلا یجوز تعطیل هذا القید تمسکا بالمطلقات** "[صلاة التراویح:۳۷، والموسوعة الفقهیة المیسرة: ۲/ ۱۵۷]

تیسری بات یہ ہے کہ: اس طرح عام نصوص سے استدلال کرنا اور خاص نصوص کو نظر انداز کر دینا بہتر نہیں ہے، اگر ان نصوص میں راتوں کی نماز مطلق ہے تو کیا ہوا دوسری حدیثوں میں تو ان کی تعیین وارد ہے لہٰذا اس کے مقابلے میں وہ تعیین حجت اور فیصل ہوگی۔ اسی لئے بعض علماء اس جیسے استدلال کے بارے میں سخت موقف رکھتے ہیں جیسا کہ شیخ علی محفوظ نے کہا:"**وعلمت ان التمسک بالعمومات مع الغفلة عن بیان الرسول بفعله وترکه هو من اتباع المتشابه الذی نهی اللّٰه عنه ولوعولنا علی العمومات وصرفنا النظر عن البیان لانفتح باب کبیر من ابواب البدعة لایمکن سده ولایقف الاختراع فی الدین عند حد وإلیک امثلة فی ذلک زیادة علی ما تقدم:الاول:جاء فی حدیث الطبرانی الصلاة خیر موضوع لوتمسکنا بعموم هذا کیف تکون صلاة الرغائب بدعة مذمومة؟ وکیف تکون صلاة شعبان بدعة مذمومة مع دخولهما فی عموم الحدیث**"؟[الإبداع:۲۵]،دیکھیں:[صلاة التراویح:۳۸]

چوتھی بات یہ ہے کہ: ان احادیث میں جو ترغیب ہے اس پر نبیﷺ اور صحابہ کرام کا عمل تھا یا نہیں؟ جواب ہوگا کہ ان کا عمل تھا، ایسی صورت میں دیکھا جائے گا ان کے عمل کی صورت کیا ہے؟ اسی کو اپنا لیا جائے گا، اس پر اضافہ کرنا یا اس سے ہٹ کر ان نصوص کا کوئی مفہوم متعین کرنا مناسب نہیں ہے۔

ان نصوص کے اولین مخاطب تو وہی لوگ ہیں اور جو انہوں نے کیا ہے وہی ان حدیثوں کا مدعا ہے لہٰذا انہیں کے عمل کو لے کر ان نصوص پر منطبق کر دیا جائے، اسی سے ان کا مفہوم متعین ہو جائے گا، ہمیں اپنے استنباط کے ذریعہ ان احادیث کا مفہوم متعین کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

پانچویں بات یہ ہے کہ: حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ میں جو دو دو رکعت نماز پڑھنے کی ترغیب ہے اس کا تعلق کیفیت سے ہے، نماز کے عدد سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اسی لئے راوی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: "**ما مثنی مثنی**"؟" یہ دو دو کیا ہے"؟ فرمایا:"**ان تسلم فی کل رکعتین**" "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہر دو رکعت میں

سلام پھیرو‘‘[مسلم:۷۴۹] اس میں صرف یہ بیان ہے کہ رات کی نماز کیسے ادا کی جائے، رہ گئی بات رکعت کی تو اس میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے کیوں کہ سائل نے اس کو پوچھا ہی نہیں تھا، شیخ حسین عوایشہ نے کہا:’’**ان هذا لبيان الكيفية لا لبيان الكمّ،.... فإن هذا الصحابي لم يسال رسول اللهﷺ كم صلاة الليل؟ بل كيف صلاة الليل؟ فجواب مثنى مثنى عن كيف لا عن كمّ**‘‘[الموسوعة الفقهية الميسرة: ۱۵۹/۲]

چھٹی بات یہ ہے کہ: اگر ان عام احادیث کو ان کے عموم پر محمول کرتے ہوئے کہا جائے کہ آدمی جتنا قیام اللیل چاہے کرسکتا ہے تو سوال یہ ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام کا طرزِ عمل اس استدلال کی تائید کرے گا؟!

نبی ﷺ نے جب تیسری رات یعنی ستائیسویں رمضان کو تراویح کی جماعت کروائی تھی اس میں بھی راوی ابوذر اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:’’**حتى خشينا الفلاح**‘‘’’اتنی لمبی نماز پڑھائی کہ سحری فوت ہوجانے کا خدشہ لاحق ہوگیا‘‘، یعنی رات میں بہت طویل قیام کیا تب بھی تعداد رکعات میں کوئی اضافہ نہ کیا، گیارہ ہی رہی، جیسا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی ہے، اب ایسی صورت میں اگر ربیعہ بن کعب یا اس سائل کے بارے میں غور کیا جائے تو کیا یہ بات معقول ہے کہ وہ لوگ اسوۂ رسول سے زیادہ نماز پڑھنے کی کوشش کریں گے؟!

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نماز درمیانی پڑھی یا بہت لمبی پڑھی تمام صورتوں میں آپ نے گیارہ ہی کی پابندی کی اس کا مطلب یہ ہے کہ رات کی نماز کے بارے میں وارد احادیث نبویہ میں جو کثرت سجود یا کثرت صلاۃ کا ذکر ہے اس سے مراد یہی کثرت ہے کہ اسے گیارہ پڑھا جائے! ورنہ یہ سمجھنا کہ ہمارے لئے تو بہت ڈھیر ساری رکعات مسنون ہیں، جو کہ نبی ﷺ اور صحابہ کے لئے نہ تھیں، کتنی غیر معقول بات ہوگی؟!

اسی طرح فعل کو قول کی مخالفت پر بلاوجہ محمول کرنا کون سی دانشمندی ہے؟ یعنی نبی ﷺ نے اپنے اقوال میں تو بہت زیادہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا مگر اپنے عمل میں آپ ﷺ نے اور آپ کے صحابہ نے کبھی بھی گیارہ سے زیادہ نہ پڑھا یہ کہنا کیا معقول بات ہوگی؟؟ حالانکہ ہمارے پاس اصل یہ ہے کہ جب تک قول وفعل میں اتحاد کا امکان ہو انہیں تعارض پر محمول کرنا غلط ہے۔

یہاں صورت یہ ہے کہ عمل نبوی میں ان حدیثوں کا بیان ہے جن میں کثرت صلاۃ یا کثرت سجود کی ترغیب ہے اور اس سے مراد وہی گیارہ رکعت ہے جس پر نبی ﷺ نے عملی طور سے زندگی بھر مواظبت کرکے سکھائی ہے!

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قیام اللیل اور تراویح کے سلسلے میں ان عمومات سے استدلال اور اسوۂ رسول سے اغماضِ نظر درست طرز تفکیر نہیں ہے، بلکہ دونوں کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر کوئی رات بھر قیام اللیل کرنا چاہے تو نبی ﷺ کی طرح گیارہ رکعت ادا کرے، کوئی نصف شب تک نماز ادا کرنا چاہے تو گیارہ رکعت ادا کرے، کوئی

اس سے بھی مختصر نماز پڑھنا چاہے تو گیارہ رکعت ادا کرے۔

ورنہ اس سوال کا جواب تلاش کرلیا جائے کہ نبی ﷺ نے ایک ہی متعین عدد کی تاعمر پابندی کیوں کی؟ اس پر کبھی بھی اضافہ کیوں نہ کیا؟ اور اہم سوال یہ ہے کہ ایک متبع کے لئے اسوۂ رسول کو کافی نہ سمجھنا اور اس پر اضافہ کی خواہش رکھنا، اس کا کیا مطلب ہے؟؟

اسی طرح بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب نماز نبوی کی کیفیت لوگ پوری حاصل نہ کر سکے تو اس کے بدلے میں رکعات میں اضافہ کردیا یعنی نبی ﷺ کی سی لمبی اور طول قنوت والی نماز جب لوگ ادا نہ کر سکے تو آسانی کے لئے تعداد رکعات بڑھالیا تاکہ قیام کی ادائیگی کے لئے نبی ﷺ جو وقت صرف کرتے تھے اس کی کچھ مشابہت پیدا ہوجائے، اسے بعض اہل علم نے بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاویٰ: ۱/۱۴۸ میں۔

میں معاصرین میں سے بعض لوگوں کے اس استدلال سے بہت حیران ہوں، جب معاملہ یہ ہے کہ اسوۂ نبوی ﷺ کی پابندی ہی ہمارا ایمان ہے لہٰذا اس کی کسی بھی صورت میں مخالفت نہیں ہونی چاہیے، اور اب جب کہ سنت کے عاملین اور ان کا التزام کرنے والوں کو ہر طرف سے نشانہ بنایا جارہا ہے تو ایسی صورت میں خود سنت کے دعاۃ ایسی دلیلوں کو پیش کرکے مسائل کا استنباط کرنا چاہیں تو حیرانی نہ ہوگی؟!

دوسرے لوگ تو ویسے ہی سنت وحدیث سے خار کھائے ہوئے ہیں، اور ہر ممکن طریقے سے اس طرزِ عمل کو مٹانے اور دبانے کے درپے ہیں اب اگر خود اتباع کے علمبردار علماء بھی ایسی بے وزن دلیلوں سے میدان میں محاذ آرائی کی کیفیت پیدا کریں گے تو پھر صورت حال کس قدر سنگین ہوگی؟ کچھ اندازہ کیجئے!!

یہ بات تو غلط ہے کہ اسلاف نے رکعات میں اضافہ اسی مقصد سے کیا تھا، کیوں کہ یہ لوگ سب سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیتے ہیں اور ان کے زمانے کی نماز کے بارے میں حدیث میں جو لفظ ہے وہ ہے کہ: ”**حتی کنا نعتمد علی العصی من طول القیام وما کنا ننصرف إلا فی بزوغ الفجر**“ ”ہم طول قیام کی وجہ سے لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے اور اس وقت فارغ ہوتے تھے جب طلوع فجر قریب ہوتی“ [الموطا:۲۴۸، بیہقی: ۱/۴۹۶] اس میں تو یہ کیفیت مذکور ہے مگر کسی بھی روایت میں اس مزعومہ عمل کا تذکرہ نہیں ہے کہ عمر کے زمانے میں لوگ بیس رکعتیں پڑھتے تھے کیوں کہ وہ لمبی نماز سے تنگ آگئے تھے، اس لئے مختصر اور ہلکی نماز کے لئے رکعات میں اضافہ کرلیا تھا!!!

دوسری بات یہ ہے کہ نبی ﷺ سے جب افضل نماز کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں: ”**طول القنوت**“ ”لمبا قیام“ [مسلم:۷۵۶] نووی نے کہا: ”**المراد بالقنوت ھنا: القیام باتفاق العلماء فیما علمت**“ [شرح النووی:۶/۳۵]

نبی ﷺ طول قیام کو افضل نماز قرار دیں اور ہم کثرت رکعات کو اولیٰ باور کرائیں، دونوں میں کون بہتر ہے؟!

تیسری بات یہ ہے کہ اگر یہ قاعدہ عامہ ہے تو کیا ہر جگہ اس کی تطبیق کی اجازت دیں گے؟ مثلاً فرض نماز میں نبی ﷺ کی نماز کی جو کیفیت تھی ہم اس کو حاصل نہیں کر پا رہے ہیں، تو کیا ہمارے لئے اس میں اضافۂ رکعات کر لینا درست ہوگا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ وجہ تفریق کیا ہے؟ کیوں کہ کیفیت کے بدلے عدد کے اضافے میں دونوں مشترک ہیں!

سنن رواتب نبی ﷺ جس طرح ادا کرتے تھے ہم اسے اس طرح ادا نہیں کر پا رہے ہیں مثلاً ظہر کی سنت قبلیہ چار سے چھ کر لی جائے اور بعد یہ کو چار کر لیا جائے؟! کیوں کہ ہماری نماز میں وہ کیفیت نہیں ہے جو نبی ﷺ کی نماز میں تھی اور خاص بات یہ ہے کہ دونوں نمازیں نفل ہیں!!

ذرا غور کریں! یہ غیر ثابت اور غیر معقول قاعدہ کس قدر ضرر رساں ہے مگر اسی کی بنیاد پر رکعات تراویح میں اضافہ کرنا اور اس قاعدے سے استدلال کرنا کس طرح درست ہوگا؟!

امام البانی رحمہ اللہ نے کہا: "**فقد ذكر غير واحد من العلماء ان مضاعفة العدد كانت عوضا عن طول القيام**"[صلاة التراويح: ۷۰] لیکن اس کے باوجود اس زمانے میں قیام وتراویح کی جو کیفیت تھی اور ارکانِ نماز میں جو اطمینان تھا اسی کی وجہ سے وہ فجر کے قریب اس سے فارغ ہوتے تھے مگر آج جو صورت حال ہے جس طرح تیزی اور جلد بازی سے نماز ادا کی جاتی ہے بالخصوص گیارہ سے زیادہ، وہ قابلِ دید ہے۔ کیا گیارہ رکعات میں اضافہ اسی لئے ہوگا تا کہ مشینی انداز میں جلدی جلدی نماز سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ دیکھیں:[صلاة التراويح: ۷۰]

چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ جو نماز لمبی ہو وہ افضل نماز ہے اور ہم زبان عمل سے کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ ہم دیر تک کھڑے نہیں ہو سکتے لہٰذا افضل نماز ہے کثرت سجدہ یعنی ہم رکعات کی کثرت کو افضل عمل بنانے کی جسارت کر رہے ہیں حالانکہ شریعت میں جس قدر نماز لمبی ہوگی اسی قدر افضل ہوگی کیوں کہ استحضار قلب، اطمینان اور تفکر کی کیفیت اسی میں پیدا ہوگی!

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی امتی مقام ومرتبہ، علم وفضل اور زہد وورع میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو جائے مگر وہ اتنا عمل نہیں کر سکتا جتنا نبی ﷺ کرتے تھے، خود آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تم سارے مامورات ☆ کو انجام نہیں دے سکتے لیکن تم قریب قریب رہو اور ٹھیک ٹھیک کرو کیوں کہ کسی کے پاس اتنی طاقت ہی نہیں ہے تو ایسی صورت میں اعتراف عجز کے ساتھ راستے میں لگے رہنا چاہیے اور تقصیر کے لئے معافی طلب کرنی چاہیے، نا کہ ایسا عمل کیا جائے جس سے اسوۂ رسول کو ناکافی سمجھنے کا شبہ پیدا ہو!

☆ (واضح رہے کہ مامورات کے دائرے میں صلاۃ اللیل کی گیارہ رکعات بھی شامل ہیں، کیوں کہ یہ اسوۂ نبوی ہے اور ﴿**لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجو الله واليوم الآخر وذكرا لله كثيرا**﴾ کے عموم میں یقیناً داخل ہے)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم وعمل میں شریعت کی پابندی اور اسوۂ رسول کو حرزِ جاں بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کیا شوال کے چھ روزے سے پہلے رمضان کے قضا روزے رکھنے ضروری ہیں؟

کفایت اللہ سنابلی

ماہ رمضان کے روزوں کے ساتھ ساتھ ماہ شوال کے چھ روزوں کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، حدیث ہے:

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الأَنْصَارِيِّ رضی اللّٰہ عنه أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ "

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے رمضان کے چھ روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، اس کو عمر بھر کے روزوں کا ثواب ملے گا'' [صحيح مسلم :رقم: ١١٦٤]

عن ثوبان، مولى رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم، عن رسول اللّٰہ ﷺ أنه قال: "من صام ستة أيام بعد الفطر كان تمام السنة"، "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا"

رسول اللہ ﷺ کے غلام ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے تو اس کو پورے سال کے روزے کا ثواب ملے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا**﴾ ''یعنی جو ایک نیکی کرے گا اسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا'' [سنن ابن ماجه : رقم :١٧١٥، والحديث صحيح]

☆ ان احادیث سے رمضان کے بعد شوال کے چھ روزوں کی مشروعیت اور ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، لیکن اہل علم میں ایک اختلاف یہ ہے کہ رمضان کے قضا والے روزے پورے کرنے کے بعد شوال کے ان چھ روزوں کو رکھا جائے گا یا پہلے شوال کے روزے رکھ کر رمضان کے قضا والے روزوں کو مؤخر بھی کیا جا سکتا ہے۔

مذاہب اربعہ میں جمہور یعنی احناف، مالکیہ اور شوافع کا کہنا ہے کہ قضاء سے پہلے نفلی روزے رکھ سکتے ہیں، جبکہ حنابلہ کا کہنا یہ ہے کہ قضاء روزے مکمل کرنے پہلے شوال کے نفل روزے رکھنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ بعض نے تو اسے بدعت تک کہہ دیا ہے۔[البرهان المبين فى التصدى للبدع والأباطيل: ج:١، ص:٥٢٧]

بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جس سے رمضان کے کچھ روزے چھوٹ گئے اس کے لئے شوال کے روزے مسنون ہی نہیں ہیں، گرچہ وہ بعد میں چھوٹے روزے کی قضا کر لے اور اس کے بعد شوال کے روزے رکھے۔

[شرح زاد المستقنع للخليل :١٥/٣ ترقيم الشاملة]

☆اس سلسلے میں یہ بات تو تقریباً سب نے کہہ رکھی ہے کہ اگر رمضان کے قضا والے روزے زیادہ نہ ہوں اور ان کو پہلے پورا کرنا آسان ہو تو بہتر یہی ہے کہ پہلے یہ روزے رکھ لئے جائیں اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھیں جائیں۔

لیکن اگر سہولت اور آسانی اختیار کرتے ہوئے یا کسی مشقت کے باعث رمضان کے قضا والے روزے موخر کردے اور پہلے شوال کے چھ روزے رکھ لے تو جمہور کی رائے ہی اقرب الی الصواب ہے یعنی ایسا کرنا جائز ہے اور اس سے مطلوبہ اجر پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ اس سلسلے کی کسی بھی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ رمضان کے روزوں کی تکمیل کے بغیر شوال کے روزے نہیں رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی عمومی طور پر اس بات کی کوئی دلیل ہے کہ فرض روزوں سے پہلے نفل روزے نہیں رکھ سکتے۔

اور جو حضرات شوال سے پہلے رمضان کے روزوں کی تکمیل ضروری سمجھتے ہیں ان کے کل اعتراضات کو ہم تین قسموں میں بانٹ سکتے ہیں، ذیل میں ان تینوں کے جوابات ملاحظہ ہوں:

☆پہلا اعتراض: رمضان ہی میں سارے روزوں کے ادا کی شرط:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ شوال کے روزے وہی رکھ سکتا ہے، جس نے رمضان ہی میں رمضان کے سارے روزے رکھے ہوں، یعنی اگر رمضان میں کسی سے کچھ روزے چھوٹ گئے اور وہ عید بعد پہلے ان کی قضا بھی کرلے تو بھی وہ شوال کے روزے نہیں رکھ سکتا۔

چنانچہ احمد بن محمد بن حسن بن ابراہیم الخلیل نقل کرتے ہیں:

"القول الأول: أنه لا يصوم الست إلا إذا أتم رمضان ، لقوله ﷺ (من صام رمضان)، ومن أفطر بعض رمضان لا يصدق عليه أنه صام رمضان بل صام بعض رمضان "

پہلا قول یہ ہے کہ: کوئی شوال کے چھ روزے تب تک نہیں رکھ سکتا جب تک کہ رمضان کے پورے روزے رمضان ہی میں نہ رکھ لے، کیونکہ حدیث میں ہے: (جو رمضان کے روزے رکھ لے) اور جس نے رمضان میں کچھ روزے چھوڑ دئے اس پر یہ بات صادق نہیں آسکتی کہ اس نے رمضان کے روزے رکھے ہیں بلکہ اس نے تو بعض رمضان کے روزے رکھے ہیں" [شرح زاد المستقنع للخليل:۱۵/۳، ترقيم الشاملة]

جواباً عرض ہے کہ:

اولاً:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ﴾

''وہ چاہتا ہے کہ تم (رمضان کے روزوں کی) تعداد پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو (یعنی تکبیر کہو)'' [البقرۃ:۱۸۵]

اس آیت میں تکبیرات کا حکم ہے نیز یہ حکم رمضان کے روزوں کی تکمیل کے بعد ہے اور اہل علم نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ رمضان کے ختم ہوتے ہی عید الفطر کی تکبیرات کہنی شروع کردینی چاہئے۔

یہاں غور کریں کہ رمضان کے روزوں کو مکمل کرنے کے بعد تکبیرات کا حکم ہے لیکن یہاں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہ تکبیرات صرف وہی لوگ کہیں گے جنہوں نے رمضان کے مکمل روزے رکھے ہوں اور جن کے روزے چھوٹ گئے وہ تکبیرات نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہاں حسب استطاعت روزہ رکھنے کے ساتھ ماہ رمضان کا اختتام مراد ہے، یہی معاملہ شوال کے چھ روزے والی حدیث کا بھی ہے۔

ثانیاً:

صحیح بخاری (رقم ۳۸) کی حدیث میں رمضان کے روزوں کی یہ فضیلت بیان ہوئی ہے کہ اس سے پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے اس میں ''من صام رمضان'' (جس نے رمضان کے روزے رکھے) کے الفاظ ہیں، اب کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ رمضان میں جس کے کچھ روزے کسی عذر کی بنا پر چھوٹ گئے اور بعد میں وہ قضا بھی کرلے تو بھی وہ اس فضیلت کا مستحق نہیں؟ ظاہر ہے کہ ایسا کوئی نہیں کہہ سکتا پھر اس حدیث میں ''من صام رمضان'' کا جو مفہوم ہے وہی شوال والی حدیث کا بھی مفہوم ہے۔

دوسرا اعتراض: شوال کے روزوں سے پہلے رمضان کے روزوں کی تکمیل کی شرط:

بعض اہل علم کا کہنا یہ ہے کہ جس سے رمضان کے روزے چھوٹ گئے وہ بھی شوال کے روزے رکھ سکتا ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ رمضان کے چھوٹے ہوئے روزوں کو مکمل کرلے کیونکہ حدیث میں پہلے رمضان کے روزے رکھنے کی بات ہے اس کے بعد ''ثم أتبعه'' کے الفاظ میں شوال کے روزوں کی تعلیم ہے۔

جواباً عرض ہے کہ:

اولاً:

ایسے لوگ مذکورہ پہلے اعتراض والوں کے جواب میں کیا کہیں گے جو کہتے ہیں کہ شوال کے روزوں کی اجازت صرف انہیں کو ہے جو رمضان ہی میں رمضان کے مکمل روزے پورے کرلیں، شیخ محمد بن محمد المختار الشنقیطی یہی الزامی

جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم نقول:"لو كان الأمر كما ذُكِر لم يشمل الحديث مَن أفطر يوماً من رمضان، فإنه لو قضى في شوال لم يصدُق عليه أنه صام رمضان حقيقةً، وإنما صام قضاءً ولم يصم أداءً"

''پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر معاملہ ویسا ہی جیسا آپ لوگ فرماتے ہیں تو پھر یہ حدیث اس شخص کو بھی شامل نہیں ہوگی جو رمضان میں کسی ایک دن کا بھی روزہ چھوڑ دے، کیونکہ اگر وہ شوال میں اس کی قضا بھی کرلے تو بھی اس پر یہ بات صادق نہیں آئے گی کہ اس نے حقیقت میں رمضان کے روزے رکھے ہیں بلکہ اس نے تو قضا کے ذریعہ روزہ رکھا نہ کہ ادا کے ذریعہ''[شرح زاد المستقنع للشنقيطي:۲۱/۱۱، ترقيم الشاملة]

اب پہلے اعتراض کا جو بھی جواب دیا جائے گا وہی دوسرے اعتراض کا بھی جواب ہوگا۔

ثانیاً:

کسی حدیث میں ''**ثم أتبعه**'' (رمضان کے روزوں کے بعد) کے الفاظ ہیں تو کسی حدیث میں ''**بعد الفطر**'' (اختتام رمضان کے بعد) کے الفاظ ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اختتام رمضان کے بعد بغیر قضا والے روزوں کی تکمیل کے ہی شوال کے چھ روزے رکھ سکتے ہیں اور قضا روزوں کو بعد میں بھی رکھا جاسکتا ہے۔

ثالثاً:

بعض روایات میں ترتیب کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔مثلاً:

''من صام رمضان وستا من شوال ، فقد صام الدهر''

''جس نے رمضان کے روزے اور شوال کے چھ روزے رکھے اس نے زندگی بھر کا روزہ رکھا''[مسند أحمد ط الميمنية:۵/۴۱۹ واسناده حسن]

''صيام شهر رمضان بعشرة أشهر وصيام ستة أيام من شوال بشهرين فذلك صيام سنة''

''رمضان کے ایک ماہ کا روزہ رکھنے سے دس(۱۰)ماہ کے روزوں کا ثواب ملتا ہے،اور(شوال کے)چھ دنوں کا روزہ رکھنے سے دو ماہ کے روزوں کا ثواب ملتا ہے،اس لحاظ سے رمضان وشوال کے مذکورہ دنوں میں روزہ رکھنے سے پورے سال بھر کے روزوں کا ثواب ملتا ہے''[السنن الكبرىٰ للنسائي :رقم:۲۸۷۳ والحديث صحيح]

ان احادیث میں ترتیب کا ذکر نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب اصل مقصود نہیں بلکہ مجموعی تعداد مقصود ہے، بلکہ مؤخر الذکر حدیث میں روزوں کی تعداد کو شمار کرکے اسی کے حساب سے اس کا فائدہ بتلایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا

ہے کہ شوال کے چھ روزے رمضان کے قضا والے روزوں سے پہلے رکھے جائیں یا بعد میں بہرصورت ان کا ثواب دو ماہ کے روزوں کے برابر ہوگا اور رمضان کے کل روزوں کا ثواب دس ماہ کے برابر ہوگا۔

تیسرا اعتراض: نفل سے پہلے فرض روزوں کو مکمل کرنے کی شرط:

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ فرض روزوں سے پہلے نفل روزے رکھنا اصلاً درست ہی نہیں ہیں خواہ شوال کے روزوں کا مسئلہ ہو یا کسی اور نفل روزے کا مسئلہ ہو، مزید یہ کہ نفل روزے رہ جائیں تو اس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن فرض روزے رہ جائیں تو اس پر مواخذہ ہے اس لئے فرض روزوں کی تکمیل سے پہلے نفل روزے رکھنا ہی درست نہیں۔

جواباً عرض ہے کہ:

اولاً:

ان حضرات کی اصل دلیل یہ حدیث ہے:

" ومن صام تطوعا وعليه من رمضان شيء لم يقضه، فإنه لا يتقبل منه حتى يصومه"

''جس نے نفلی روزے رکھے اور اس پر رمضان کے روزے باقی ہیں جن کی قضا نہیں کیا ہے تو اس کے یہ نفل روزے قبول ہی نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ قضاء والے روزے نہ رکھ لے'' [مسند أحمد ط الميمنية:٢/٣٥٢]

اس کی سند میں ابن لہیعۃ ضعیف راوی ہے، نیز الفاظ میں بھی اضطراب ہے، اس لئے یہ روایت ضعیف ہے، مسند احمد کے معلقین نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[مسند أحمد ط الرسالة:١٤/٢٧٠]

یاد رہے کہ اس معنی کی دیگر ساری روایات ضعیف ہیں۔

اسی طرح ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی پیش کیا جاتا ہے:

"لا يقبل نافلة حتى تؤدى الفريضة" ''جب تک فرض نہ ادا کرلیا جائے نفل عبادت قبول نہیں ہوتی''

[مصنف ابن أبي شيبة، ت الشثري:١٩/٢٩٧]

اس کی ساری اسانید منقطع وضعیف ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کی وضاحت:

عن عثمان بن موهب قال: سمعت أبا هريرة وسأله رجل قال: إن علي أياما من رمضان، أفأصوم العشر تطوعا؟ قال: لا، ولم؟ ابدأ بحق الله، ثم تطوع بعدما شئت .

عثمان بن وہب کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ میرے اوپر

رمضان کے روزے ہیں، تو کیا میں عشرۂ ذی الحجہ میں عام نفل روزے رکھ لوں؟ تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، اور کیوں ایسا کروگے؟ پہلے اللہ کا حق ادا کرو پھر اس کے بعد جتنے چاہو نفلی روزے رکھو۔[مصنف عبد الرزاق، ت الأعظمی: ٢٥٧/٤ و إسناده صحيح]

عرض ہے کہ یہ اثر اس بارے میں صریح نہیں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرض سے پہلے نفل کے قائل نہیں تھے بلکہ ممکن ہے کہ انہوں نے مستحب اور بہتر چیز کا مشورہ دیتے ہوئے یہ بات کہی ہو، اور یہی ظاہر ہے کیونکہ انہوں نے آگے یہ نہیں کہا کہ ایسا ناجائز ہے بلکہ یہ کہا کہ پہلے اللہ کا حق ادا کرو پھر جتنا چاہو نفل روزہ رکھو۔

ابن حجر رحمہ اللہ اسی طرح کے بعض اقوال کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وظاهر قوله جواز التطوع بالصوم لمن عليه دين من رمضان إلا أن الأولى له أن يصوم الدين أولا"

"اس قول سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس پر رمضان کے روزے ہوں وہ پہلے نفلی روزے رکھ سکتا ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے رمضان کے روزے پورے کر لے"[فتح الباري لابن حجر، ط المعرفة: ١٨٩/٤]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کا بھی یہی مفاد ہے، اس بات کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں:

"إذا بدأ بالفريضة لا بأس أن تصومها في العشر"

"اگر پہلے فرض روزے رکھے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ میں انہیں رکھ لے"[مصنف ابن أبي شيبة۔سلفية: ٧٤/٣ و إسناده صحيح]

دوسری بات یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے شوال، عاشوراء یا خاص عرفہ کے روزے سے متعلق سوال نہیں ہوا تھا، بلکہ عشرۂ ذی الحجہ سے متعلق سوال تھا، اور یہ ایام صرف روزوں کے لئے خاص نہیں ہیں بلکہ ہر طرح کے نیک اعمال کے لئے ہیں، اور ان اعمال میں روزہ بھی شامل ہے مگر روزہ کا ان ایام کے ساتھ اس طرح کا اختصاص نہیں ہے جیسے شوال، عاشوراء اور عرفہ وغیرہ کا معاملہ ہے۔ بلکہ ان دنوں میں روزہ کی حیثیت عام دونوں میں نفلی روزے جیسی ہی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ان دنوں کی فضیلت کے باعث ان میں روزوں کا ثواب زیادہ ہے۔ یاد رہے کہ یہ سوال کسی عورت کا نہیں بلکہ مرد کا تھا اور عام طور پر مرد حضرات کے رمضان میں زیادہ روزے نہیں چھوٹتے۔

نوٹ: عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک اثر ہے کہ (عشرۂ ذی الحجہ میں رمضان کے روزے قضا کرنے میں حرج نہیں ہے) ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[فتح الباري لابن حجر، ط المعرفة: ١٨٩/٤]

یہ اثر بھی بتا رہا ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ میں رمضان کی قضا بہتر تو ہے مگر ضروری نہیں، لیکن یہ اثر منقطع ہے جیسا کہ امام مسدد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ دیکھئے:[المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية: ١/ ٣٦١]

ثانیاً:

اہل علم کے یہاں اس بات پر اتفاق ہے کہ بغیر عذر کے بھی رمضان کے روزوں کی قضا کو شعبان تک مؤخر کیا جا سکتا ہے، دیکھیں:[الفروع وتصحيح الفروع: ٥/ ٦٢]

تو جب بغیر عذر کے قضا میں تاخیر کی جا سکتی ہے تو پھر اگر کسی نے شوال کے روزوں کی خاطر تاخیر کر دی تو اس میں کون سی قباحت لازم آ گئی؟ ذرا سوچئے کہ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بلا عذر کے قضا میں تاخیر کی اجازت دی جائے، مگر شوال کے روزوں کی خاطر اس تاخیر کو حرام قرار دیا جائے!!

یہیں سے مواخذہ والی بات کو بھی سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی شوال کے چھ روزے رکھ لے تو اسے اچانک مرنے کا حوالہ دے کر مؤاخذہ کا خوف دلایا جا رہا ہے، لیکن اگر کوئی شوال کے روزے بھی نہ رکھے اور یوں ہی بلا عذر رمضان کے قضا روزوں کو موخر کر دے، وہ بھی شعبان تک، تو اس کے لئے خوف و دہشت کی کوئی بات نہیں ہے! سبحان اللہ!

اگر شوال کا روزہ رکھنے والا آگے چل کر فوت ہو سکتا ہے، تو شوال کا روزہ رکھے بغیر شعبان کا انتظار کرنے والے پر بھی تو اچانک موت آ سکتی ہے!

پھر منتظر شعبان کے تعلق سے جو بھی کہا جا سکتا ہے وہی شوال کے روزے رکھنے والے سے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے۔

شیخ حمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز الحمد فرماتے ہیں:

''فوقع عليه الموت من غير أن يظنه فلا يأثم لأنه فعل ما يجوز له ومثل هذا ونظيره كما قال شيخ الإسلام: الرجل يؤخر الصوم من رمضان، يريد أن يؤخر قبيل رمضان الآخر، فإن هذا جائز له والقضاء من رمضان إلى رمضان وقت موسع، فالفضيلة في الاستعجال بذلك، ولكن الجواز وقته موسع، فإذا أخر القضاء حيث يجوز له فمات قبل أن يقضي فلا إثم عليه بالإجماع''

''کسی نے نماز کو آخر وقت تک موخر کیا لیکن اس سے پہلے وہ فوت ہو گیا اور اسے اس کا گمان تک نہیں تھا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ اگر کوئی رمضان کے قضا روزے میں تاخیر کرے اور اس کا ارادہ ہو کہ اگلے رمضان کی آمد سے پہلے ہی قضاء کر لے گا، تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز ہے کیونکہ ایک رمضان سے دوسرے رمضان کے بیچ پورا وقت اس کی قضا کے لئے موجود ہے، تاہم افضل یہی ہے کہ قضا میں

جلدی کرے مگر تاخیر کا جواز ہے اس کا وقت وسیع ہے، اور اگر کسی نے تاخیر کی جو کہ اس کے لئے جائز تھا پھر قضا سے پہلے اس کی وفات ہوگئی تو بالاجماع اس پر کوئی گناہ نہیں ہے'' [شرح زاد المستقنع للحمد:۱۸/۳ ترقیم الشاملة]

غور کریں کہ اگر شوال کے روزے رکھے بغیر قضا رمضان میں تاخیر کردے اور قضا سے پہلے اس کی وفات ہوجائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، تو اگر کسی نے شوال کے روزے رکھ کر قضا میں تاخیر کردی اور قضا سے پہلے اس کی وفات ہوگئی تو وہ گنہگار کیسے ہوسکتا ہے؟

ثالثاً:

فرض سے پہلے نفل کی ادائیگی کی تاکید اس وقت کی جاسکتی ہے جب وقت تنگ ہو اور فرض اور نفل میں سے کسی ایک ہی کو ادا کیا جاسکتا ہو، لیکن اگر وقت میں وسعت ہو تو فرض عبادت کے لازم ہونے کے باوجود بھی نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے، مثلاً زوال کے بعد ظہر کی نماز فرض ہوجاتی ہے لیکن چونکہ وقت میں وسعت ہوتی ہے، اس لئے اس سے پہلے سنت پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہی معاملہ رمضان کے روزوں اور نفل روزوں کا بھی ہے کہ رمضان کے روزوں کی قضا کے لئے پورے سال کا وقت ہے، جبکہ وقتی نفل روزوں کے لئے اتنا وقت نہیں ہوتا، اسی لئے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان کے روزوں کی قضا کو موخر کردیتی تھیں۔ [بخاری:۱۹۵۰]

اوران سے بہت بعید ہے کہ وہ کوئی بھی نفلی روزہ نہ رکھتی ہوں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لأن عائشة أخبرت أنها كانت تقضي رمضان في شعبان، ويبعد أن لا تكون تطوعت بيوم، مع أن النبي ﷺ كان يصوم حتى يقال: لا يفطر، ويفطر حتى يقال: لا يصوم، وكان يصوم يوم عرفة وعاشوراء، وكان يكثر صوم الاثنين والخميس، وكان يصوم ثلاثة أيام من كل شهر''

''کیونکہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا ہے کہ وہ شعبان میں رمضان کی قضا کرتی تھیں، اور یہ بات بہت بعید ہے کہ انہوں نے اس سے پہلے کسی دن بھی نفلی روزہ نہیں رکھا، جبکہ اللہ کے نبی ﷺ کثرت سے نفلی روزے رکھتے تھے، یہاں تک کہ کہا جاتا کہ اب آپ روزہ رکھنا بند ہی نہیں کریں گے، اور جب روزہ رکھنا بند کردیتے تو کہا جاتا اب آپ روزہ نہیں رکھیں گے، نیز آپ ﷺ عرفہ اور عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے، پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے، اور ہر ماہ میں تین دن کا روزہ رکھتے تھے'' [شرح العمدة لابن تيمية : كتاب الصيام :۳۵۸/۱]

بلکہ بعض روایات سے صراحتاً ثابت ہے کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نفلی روزے رکھتی تھیں۔ [مؤطا:رقم:۱۳۳، بسند صحيح ، ابن أبي شيبة:۱۱۰/۶ بسندصحيح]

اوراللہ کے نبی ﷺ نے ان پرنکیر نہیں کی ہے اس لئے یہ دلیل ہے کہ فرض روزوں کی ادائیگی کے لئے وسیع وقت موجود ہوتو حالیہ نفلی روزوں کو پہلے رکھا جاسکتا ہے۔

شیخ محمد بن محمد المختار الشنقیطی فرماتے ہیں:

”ومَنَعَ بعض العلماء ، واحتجوا بأنه كيف يَتَنَفّل وعليه الفرض؟ وهذا مردود؛ لأن التّنَفُّل مع وجود الخطاب بالفرض فيه تفصيل:فإن كان الوقت واسعاً لفعل الفرض والنافلة ساغ إيقاع النفل قبل الفرض بدليل:أنک تصلی راتبة الظهر قبل صلاة الظهر وأنت مخاطب بصلاة الظهر، فإن الإنسان إذا دخل عليه وقت الظهر وزالت الشمس وجب عليه أن يصلی الظهر، ومع ذلک يؤخرها فيصلی الراتبة، ثم يصلی بعدها الظهر، فتنفل قبل فعل الفرض بإذن الشرع، فدل علی أن النافلة قد تقع قبل الفرض بإذن الشرع، فلما أذن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم لأم المؤمنين عائشة أن تؤخر القضاء دل علی أن الوقت موسع “

ترجمہ:

”بعض علماء نے رمضان کے روزوں کی قضا سے پہلے شوال کے روزوں سے منع کیا اور یہ دلیل دی ہے کہ جب اس پر فرض روزے باقی ہیں تو وہ نفل کیسے رکھ سکتا ہے؟ تو یہ بات مردود ہے، کیونکہ فرض عبادت کے ہوتے ہوئے نفل کی ادائیگی کے سلسلے میں تفصیل ہے، چنانچہ اگر فرض اور نفل دونوں کی ادائیگی کے لئے لمبا وقت موجود ہوتو ایسی صورت میں فرض سے پہلے نفل عبادت انجام دی جاسکتی ہے،اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نماز ظہر سے پہلے سنت پڑھتے ہیں جبکہ آپ نماز ظہر پڑھنے کے پابند ہوتے ہیں، کیونکہ کسی انسان کے سامنے ظہر کا وقت داخل ہوجائے اورسورج کا زوال ہوجائے تو اس پر نماز ظہر فرض ہوجاتی ہے،اس کے باوجود بھی وہ ظہر کی فرض نماز کو موخر کرتا ہے اور پہلے سنت پڑھتا ہے اس کے بعد ظہر پڑھتا ہے،تو یہاں شریعت نے فرض سے پہلے نفل کی اجازت دی ہے جواس بات کی دلیل ہے کہ شریعت میں فرض سے پہلے بھی نفل کی اجازت موجود ہے، یہی اجازت روزوں کے سلسلے میں بھی ہے چنانچہ اللہ کے نبی ﷺ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ اجازت دے دی کہ وہ رمضان کے روزوں کی قضا کو موخر کرسکتی ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں اس کی ادائیگی کے لئے لمبا وقت موجود ہے“[شرح زاد المستقنع للشنقيطی : ۲۱/۱۱،ترقيم الشاملة]

نوٹ:

یادرہے کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا یہ تاخیر عذر کی بنا پر کرتی تھیں،جس روایت

میں یہ الفاظ ہیں کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی خدمت میں مشغول ہونے کے سبب یہ تاخیر کرتی تھیں، یہ الفاظ مدرج ہیں، اس کی تفصیل ہم نے دوسرے مقام پر پیش کردی ہے، ملاحظہ فرمالیں یہ لنک:

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بعض مدرج الفاظ اور شوال کے روزوں سے متعلق بعض اہل علم کا اس سے استدلال:

☆ **خلاصۂ کلام یہ کہ:**

زیر بحث مسئلہ میں جمہور یعنی احناف، مالکیہ اور شوافع کا موقف ہی راجح ہے اور حنابلہ کا موقف مرجوح اور کمزور ہے۔

اور اس مرجوح موقف کے مطابق بہت سے لوگ شوال کے روزوں کی عظیم الشان فضیلت سے محروم رہ جائیں گے، مثلا اگر کوئی شخص رمضان میں پچیس دن یا اس سے بھی زیادہ بیمار رہا اور روزہ نہیں رکھ سکا، یا جس عورت نے حمل و رضاعت یا نفاس کے سبب رمضان کے اکثر حصوں کے یا کل رمضان کے روزے چھوڑ دئے، تو یہ لوگ اگر شوال کا روزہ رکھنا چاہیں تو پہلے انہیں رمضان کے سارے چھوٹے ہوئے روزے قضا کرنے ہوں گے اور ان کے لئے ناممکن ہے۔

بلکہ جن کے رمضان میں صرف پندرہ روزے چھوٹے ہوں ان کے لئے بھی شوال کے روزوں کی فضیلت حاصل کرنا بہت بڑی مشقت کی بات ہوگی کیونکہ انہیں شوال میں پہلے رمضان کے تمام چھوٹے ہوئے روزے ایک ساتھ قضا کرنے ہوں گے، یہ ساری دشواریاں اللہ کے اس فرمان کے ساتھ میل نہیں کھاتیں جسے قرآن میں اللہ نے اس طرح ذکر کیا:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

''تم میں سے جو مریض یا مسافر ہوں وہ دیگر ایام میں اس کے روزوں کی قضاء کریں'' [البقرة:١٨٤]

غور کریں کہاں اس آیت میں مریض ومسافر کے لئے بغیر کسی قید کے دیگر عام دنوں میں قضا کی رخصت اور کہاں شوال کے روزوں کو لے کر ایسے معذوروں کے لئے مشقت اور مایوسی کی باتیں؟ یقیناً یہ مناسب بات نہیں ہے، اور جمہور کا موقف ہی اطمینان بخش ہے۔

واضح رہے کہ مذہب حنبلی میں امام احمد رحمہ اللہ ہی کا ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ فرض روزے مثلاً رمضان کے قضا روزے سے پہلے نفل روزے مثلاً شوال کے روزے رکھنے جائز ہیں، اور بعض حنابلہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

چنانچہ:

امام علاء الدین المرداوی الحنبلی (المتوفی ۸۸۵ھ) لکھتے ہیں:

''هل يجوز لمن عليه صوم فرض أن يتطوع بالصوم قبله؟ فيه روايتان،.....إحداهما لا يجوز،

ولا يصح، وهو المذهب.....والرواية الثانية:يجوز، ويصح.....قلت:وهو الصواب.

جس پر فرض روزے باقی ہوں کیا اس کے لئے اس سے پہلے نفلی روزہ رکھنا جائز ہے؟اس بارے میں امام احمد رحمہ اللہ کا دو قول ہے.....، پہلا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے ایسا روزہ صحیح نہیں ہوگا، اور یہ مذہب حنبلی کا مفتی بہ قول ہے .....، اور امام احمد رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور اس کا نفلی روزہ صحیح ہے.....، میں (امام المرداوی) کہتا ہوں یہی دوسرا قول ہی درست ہے۔[الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف للمرداوی:۳/۳۵۰]

امام احمد رحمہ اللہ کے اس دوسرے قول سے متعلق مزید حوالوں کے لئے دیکھئے:[المغنی لابن قدامة:٤/٤٠٢، مغنی ذوی الأفهام: ص:۱۸۰، فقه العبادات علی المذهب الحنبلی: ص:٤٠٣، شرح العمدة لابن تیمیة:۱/۳۵۸]

عرض ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کا یہی قول ہی تمام احادیث کے موافق ہے۔،اس لئے یہی درست ہے جیسا کہ حنبلی امام علامہ المرداوی نے بھی شہادت دی ہے۔

تنبیہ:

بعض لوگوں کا کہنا کہ امام احمد رحمہ اللہ کا جو دوسرا قول جواز کا ہے وہ عام نفل روزوں کو فرض سے پہلے ادا کرنے کا ہے،لیکن شوال کے چھ روزوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

عرض ہے کہ مذہب حنبلی میں ایسی کوئی تفصیل موجود نہیں ہے بلکہ یہ تفصیل بعد کے حنابلہ کی ہے۔

دکتور عبدالعزیز الشایع،استاذ جامعۃ الامام محمد بن سعود رحفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"جمهور أهل العلم علٰی جواز تقديم صيام النفل علی القضاء ،والقول بعدم الجواز من مفردات الحنابلة.ويدخل فی ذلک:جواز تقديم صيام الست من شوال علی القضاء.ولا يعرف (تقديم الست)بقول خاص عن المسألة الأم عند من تقدم.فيجوز عند الجمهور تقديم الست، وتأخير القضاء"

''جمہور اہل علم اس بات پر ہیں کہ قضا سے پہلے نفل روزوں کو رکھا جاسکتا ہے،اور عدم جواز کا قول حنابلہ کی منفرد رائے ہے،قضا سے پہلے شوال کے چھ روزے رکھنے کا بھی اسی مسئلہ سے تعلق ہے،اور اس اصل سے ہٹ کر شوال کے چھ روزوں سے متعلق متقدمین حنابلہ کا کوئی خصوصی قول موجود نہیں ہے،لہٰذا جمہور کے نزدیک پہلے شوال کے چھ روزے رکھ سکتے ہیں اور قضا کو موخر کر سکتے ہیں'' (دیکھئے شیخ کے اکاونٹ پر ان کا ٹویٹ)

معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں مذہب حنبلی کا منفرد قول مرجوح ہے،اور راجح اور درست قول جمہور ہی کا ہے،واللہ اعلم۔

مجبوری میں سب جائز؟

ترجمانی: شیخ اسعد اعظمی، استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا دارومدار شرعی نصوص پر ہوتا ہے، شریعت مطہرہ نے جس چیز کو حلال ٹھہرایا وہی حلال ہے اور جس چیز کو حرام قرار دیا وہ حرام ہے، حلت وحرمت کے سلسلے میں وارد شرعی نصوص سے علمائے کرام نے ایک قاعدہ یہ مستنبط کیا ہے کہ:

''الضَرورَات تُبِيحُ المَحظورات''

''یعنی اضطراری حالتیں حرام چیزوں کو مباح قرار دیتی ہیں''

بعض اسلامی معاشروں میں اس فقہی قاعدے کی آڑ میں بہت سارے حرام کاموں کو حلال کا درجہ دے دیا جاتا ہے، خاص طور سے رشوت اور سودی لین دین کو سند جواز فراہم کرنے کے لیے بعض حضرات اس قاعدے کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ اس فقہی قاعدے کے بھی اصول وضوابط اور شروط وقیود ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے، مشہور کویتی مجلّہ الفرقان نے اس تعلق سے ایک بار کویت کے علماء سے اس سلسلے میں استفسار کیا تھا اور اس قاعدے کی وضاحت کرنے اور اس کی حدود وقیود پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی تھی۔ ڈاکٹر عجیل نشمی، ڈاکٹر سلیمان معرفی اور شیخ محمد الحمود حفظہم اللہ نے جو کچھ اس سلسلے میں تحریر فرمایا وہ ۲۴ رنومبر ۲۰۰۳ء کے الفرقان کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے، انہی جلیل القدر علماء کی تحریروں کی ترجمانی معمولی تصرف، تقدیم وتاخیر کے ساتھ کی جارہی ہے:

تعریف:

شیخ محمد الحمود نے لفظ ضرورۃ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ اضطرار سے ماخوذ ہے اور اضطرار سخت ضرورت کو کہتے ہیں، فقہاء کرام نے ضرورت کی تعریف یوں کی ہے کہ انسان اس حد کو پہنچ جائے کہ اگر وہ حرام اور ممنوع چیز کو تناول نہیں کرتا ہے تو جان سے ہاتھ دھوسکتا ہے یا موت کے قریب پہنچ سکتا ہے، جیسے کسی کی اضطراری حالت اس کو مردار کھانے پر مجبور کردے، بایں طور کہ اگر اسے نہ کھائے اور بھوکا رہے تو اس کی جان چلی جائے تو ایسے شخص کے لیے حرام شئ کھالینا جائز ہے۔

دکتور سلیمان معرفی نے قاعدہ مذکورہ کی توضیح کرتے ہوئے کہا ہے کہ کبھی کبھی حالات انسان کو حرام چیز کھانے یا استعمال کرنے پر مجبور کردیتے ہیں، مثلاً: شراب پینے یا مردار کھانے کی اس کو ضرورت پیش آجاتی ہے، اس طور پر کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے تو ہلاک ہوسکتا ہے، اور یہ چیز معلوم ہے کہ ضرورات خمسہ جن کی حفاظت واجب ہے، ان میں حفظ نفس بھی ہے، ایسے موقع پر یہ قاعدہ "الضرورات تبیح المحظورات" کام آتا ہے۔

استنباط:

یہ قاعدہ جن آیات سے مستنبط کیا گیا ہے وہ اس طرح ہیں:

۱۔ ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

"تم پر مردہ اور (بہاہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو حرام ہے، پھر جو مجبور ہوجائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو، اس پر ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے" [البقرہ:۱۷۳]

۲۔ ﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾

"اور آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے، مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے" [الانعام: ۱۱۹]

۳۔ ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

"پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے قرار ہوجائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے" [المائدۃ:۳]

حدود وضوابط:

ضرورت، اضطرار اور مجبوری کسے کہتے ہیں، کن حالات میں انسان مجبور اور مضطر مانا جائے گا۔ ضرورت دفع کرنے کے لیے کس مقدار میں اسے حرام شے کے تناول یا استعمال کی اجازت ہے، قاعدہ مذکورہ پر عمل کرتے وقت ان تمام امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے، اہل علم نے ان شرائط وقیود پر مفصل بحث کی ہے جن کا اعتبار اس سلسلے میں ضروری

ہے۔یہ شرائط وحدود کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ انسان فی الواقع اضطراری حالت سے دوچار ہو، نہ یہ کہ محض اس کی توقع یا وہم ہو، کسی شخص کو محض یہ اندیشہ ہو کہ اگر وہ بینک سے سودی قرض نہیں لے گا تو مشکل میں پھنس جائے گا یا یہ کہ اس کا کاروبار ٹھپ پڑ جائے گا، اسی اندیشے کے پیش نظر وہ اپنے آپ کو مجبور اور مضطر مان کر سودی قرض لے لیتا ہے، یہ عمل درست نہیں ہے، کیونکہ جب تک آدمی حقیقتاً درجۂ اضطرار کو نہ پہنچ جائے مضطر نہیں مانا جائے گا، مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ میں شراب پی رہا ہوں کیونکہ اگر میں نے شراب نہ پی تو فلاں شخص کل مجھے قتل کر دے گا، ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

۲۔ آدمی کے پاس سوائے حرام کے ارتکاب کے اور کوئی وسیلہ نہ ہو جس سے وہ اپنی ضرورت پوری کر سکے، دکتور عجیل نشمی کہتے ہیں کہ بسا اوقات آدمی اپنے آپ کو مضطر قرار دینے اور حرام کو حلال ماننے میں عجلت سے کام لیتا ہے، اس کے سامنے حلال کے کتنے دروازے ہوتے ہیں جن کو اس نے کھٹکھٹایا نہیں، وہ ایسے اشخاص سے قرض حسن لے سکتا ہے جن سے اس نے ابھی تک اس کا مطالبہ نہیں کیا نہ ان کا دروازہ کھٹکھٹایا، یا یہ کہ اس کے پاس ایسی اشیاء ہیں جن کو استعمال میں لا کر وہ قرض سے بچ سکتا ہے، مثلاً کسی کو گاڑی کی ضرورت ہے، حالانکہ اس کے پاس دو، تین یا اس سے بھی زائد گاڑیاں موجود ہیں، بسا اوقات اس کے پاس ایسی عمدہ گاڑی ہوتی ہے جس کی قیمت تین گاڑیوں کی قیمت کے برابر ہوتی ہے، ایسے شخص کو چاہیے کہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اپنی مملوکہ چیزوں میں سے کچھ کو فروخت کر دے، بہت سارے سودی لین دین کرنے والے جو اضطرار کا سہارا لیتے ہیں وہ محض تجارت اور کاروبار کے واسطے سود کا لین دین کرتے ہیں، حالانکہ اضطرار کے مقابلے میں تجارت تو خوشحالی لانے والا ایک عمل ہے، ضرورت سے مراد تو خورد ونوش کی وہ ضروری اشیاء ہیں جن پر زندگی کا دارومدار ہوتا ہے، یہاں تک کہ کسی شخص کے گزر بسر کا ذریعہ اگر صرف اس کی تنخواہ ہو اور وہ ناکافی ہو تو اس کو بھی بنیاد بنا کر وہ سودی قرض نہیں لے سکتا، اس کا بھی کوئی جواز نہیں ہے کہ آدمی سودی بینک میں ملازمت کرے اور یہ دلیل دے کہ اس کے علاوہ اس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، حالانکہ اس نے کوئی دوسرا کام تلاش ہی نہیں کیا، بہرحال اضطرار کی حد یہی ہے کہ محض زندگی باقی رکھنے والی چیز کے حصول کی نیت سے وہ اس قسم کی ملازمت کرے اور دوسری ملازمت کی تلاش جاری رکھے، اگر بغیر اس ملازمت کے اس کا کام چل سکتا ہو تو پھر اس میں لگے رہنا اس کے لیے جائز نہ ہوگا، اگر کوئی شخص غیر اسلامی ملک میں رہتا ہے اور مجبوری اور ضرورت کا حوالہ دے کر ایسا گوشت کھاتا ہے جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ غیر شرعی طریقہ سے ذبح کیے ہوئے جانور کا یہ گوشت ہے، حالانکہ اس کے سامنے متبادل غذائیں مثلاً مچھلی وغیرہ موجود

ہیں، ایسے شخص کا بھی وہی معاملہ ہے جس کا ذکر ہوا، دوسری بات یہ ہے کہ گوشت خوری ترک کر دینے سے جان جانے کا اندیشہ بھی نہیں ہے۔

۳۔ اضطراری صورت میں اسی مقدار میں حرام شئ کا استعمال یا اس سے استفادہ کیا جائے جس سے ضرورت دفع ہو سکے، کیونکہ مذکورۃ الصدر قاعدے کے ساتھ ہی علماء نے یہ قاعدہ بھی ذکر کیا ہے کہ " **الضرورۃُ تُقَدَّرُ بِقَدرھا** " اس قاعدے کا استنباط آیت میں وارد الفاظ "غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ" سے کیا گیا ہے۔

اس قاعدے کی وضاحت کرتے ہوئے اہل علم نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص کا زادراہ ختم ہو گیا ہو اور وہ ایسی جگہ پر ہو جہاں غذا کے حصول کا کوئی امکان نہیں اور دھیرے دھیرے اس پر بھوک کا اس قدر غلبہ ہوا کہ اس کی ہلاکت یقینی معلوم ہونے لگی، دریں اثناء ایک مردہ بکری اس کو مل گئی، اب اس کا حال یہ ہے کہ اگر اس مردہ بکری کا گوشت نہیں کھاتا ہے تو پھر جان بچانے کی کوئی دوسری سبیل اس کے سامنے نہیں ہے، ایسا شخص مضطر کے حکم میں ہوا اور " **الضرورات تُبیح المحظورات**" والے قاعدے کی رو سے اسے اپنی زندگی کی بقا کی خاطر اس مردار کو کھانا جائز ہوا، البتہ اس سے وہ اتنی ہی مقدار میں کھا سکتا ہے جس سے اس کی ہلاکت کا خطرہ ٹل جائے، نہ یہ کہ ذبح کی گئی بکرے کے گوشت کی طرح پیٹ بھر کر کھائے، قرآنی آیت سے مستنبط دوسرے قاعدہ " **الضرورۃُ تُقَدَّرُ بِقَدرھا** " کا یہی تقاضا ہے۔

دکتور عجیل نشمی نے اس قاعدے کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگ اضطرار کے نام پر حرام چیز کو حلال تصور کرتے ہوئے اس سے خوب خوب استفادہ کرتے ہیں اور اضطرار کی حدود و قیود کو بھول جاتے ہیں، مثلاً کبھی کبھی انسان اپنے اور اپنے بال بچوں کے کھانے پینے کے تعلق سے بڑی مجبوری اور اضطرار کی کیفیت سے دوچار ہو جاتا ہے اور اس کے سامنے سودی قرض کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کیونکہ اس نے محنت مزدوری کرنے یا قرض حسن حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا، اب اس نے سودی قرض لیا اور ضرورت سے زیادہ لیا پھر بار بار لینے لگا، گویا اضطراری کیفیت کی کوئی حد ہی نہیں ہے، حالانکہ خورد و نوش کے سلسلے میں سد رمق کی حد متعین ہے، اور جب سبب اضطرار ختم ہو جائے تو ذخیرہ اندوزی اور بار بار اس فعل کا ارتکاب حرام ہے کبھی کبھی کوئی چیز واقعی بہت ضروری ہوتی ہے لیکن شرعی ضرورت یعنی حد اضطرار میں وہ داخل نہیں ہو پاتی، مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کرائے کا مکان لے کر اس کا کرایہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ سودی قرض لے کر مکان خریدے، رہنے کیلئے مکان اگرچہ ضروری چیز ہے لیکن یہ اضطرار کے درجے میں نہیں آتا، کیونکہ اضطرار کا تحقق وہاں

ہوتا ہے جہاں زندگی خطرے میں پڑتی ہو۔

دکتور نشمی مزید فرماتے ہیں کہ تجربات بتلاتے ہیں کہ اکثر لوگ جو حرام چیز کو مباح ٹھہرانے کے لیے اضطرار اور مجبوری کا حوالہ دیتے ہیں ان کا معاملہ ضرورت کے مرحلے سے متجاوز نہیں ہوتا، لوگ حاجت (یعنی ضرورت) اور اضطرار میں فرق نہیں کرتے، اضطرار اس کیفیت کا نام ہے جس کا ہم نے تذکرہ کیا کہ اس کا تحقق ان چیزوں میں ہوتا ہے جن کو استعمال میں نہ لانا ہلاکت کا سبب بنے یا ہلاکت سے قریب کردے، اور حاجت سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے استعمال نہ کرنے سے آدمی پریشانی اور مشقت میں پڑ جائے، نہ یہ کہ ہلاکت کی حد کو پہنچ جائے، مثلاً کوئی شخص اتنا ہی بھوکا ہے کہ اگر وہ کچھ نہ بھی کھائے تو اس کی جان جانے کا خطرہ نہیں ہے، بلکہ محض پریشان ہونے اور مشقت میں واقع ہونے کا اندیشہ ہے، ایسے شخص کے لیے حرام شئ تناول کرنے کی اجازت نہیں جب تک حد اضطرار کو نہ پہنچ جائے، اور حد اضطرار یہ ہے کہ ہلاکت کا خوف ہو یا اس کا گمان غالب ہو۔

اضطرار کے سلسلے میں ان حدود و قیود کا لحاظ نہ کرنے والوں کو آپ دیکھیں گے کہ دوسرے فارغ البال حضرات کی طرح کھانے پینے کے معاملے میں خوب توسع سے کام لیتے ہیں یا اپنے مکان کی توسیع، مرمت یا آرائش وزیبائش میں دوسروں ہی کی طرح بلا حدود و قیود (اضطرار کا حوالہ دیتے ہوئے حرام مال) خرچ کرتے ہیں۔

۴۔ دو حرام چیزوں میں سے جس کی حرمت کم درجے کی ہوگی حالت اضطرار میں اسی سے ضرورت پوری کی جائے گی اور سخت حرمت والی چیز سے اجتناب کیا جائے گا۔

اگر کسی شخص کو زنا پر مجبور کیا جائے یا کسی مسلمان کے اعضائے جسمانی کو کاٹنے پر مجبور کیا جائے بصورت دیگر ترک نماز یا نبی کو سب وشتم کرنے یا کلمہ کفر کی ادائیگی کے لیے کہا جائے تو ان بعد والی معاصی کے ارتکاب میں پہلے والی سے نسبتاً کم شدت ہے کیونکہ ایسے مواقع پر اس کی رخصت ہے۔

۵۔ مضطر شخص ایسے عمل کا ارتکاب نہ کرے جس کے سلسلے میں کسی رخصت کا قطعاً احتمال نہیں ہے، مثلاً اگر کسی شخص کو کسی مسلمان آدمی کے قتل پر مجبور کیا جائے، تو اس کو قتل نہ کرے، اگر اس کی وجہ سے اسے قتل کر دیا جانے والا ہو تو اس کو برداشت کرے مگر اپنی جان بچانے کے لیے کسی مسلمان کی جان نہ لے۔

یہی وہ اصول وضوابط ہیں جن کی رعایت حالت اضطرار میں کسی حرام شئ کے تناول یا ارتکاب کے وقت ضروری ہے، اب ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عامۃ الناس ان حدود و قیود کا کس درجہ پاس ولحاظ کرتے ہوں گے، انہیں تو ان تفصیلات کا علم ہی ہو تو غنیمت ہے تطبیق وتنفیذ تو بہت دور کی بات ہے۔

دکتور عجیل نشمی فرماتے ہیں کہ بعض لوگ حرام چیزوں کے استعمال میں توسع کر کے اپنے اوپر بڑا ظلم کرتے ہیں، ان کے نزدیک حرام کا استعمال بسا اوقات مکروہ بلکہ مباح سے بھی آسان ہوتا ہے، اور وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ مجبوری اور اضطرار کی وجہ سے وہ ایسا کر رہے ہیں، جب آپ ان سے مجبوری کے بارے میں سوال کریں گے تو ان کے جوابات عجیب طرح کے ہوں گے، آج کل سب سے زیادہ سودی معاملات کا ارتکاب لوگ مجبوری کے نام پر کرتے ہیں، اگر اس تعلق سے ان کی مجبوری کے بارے میں آپ استفسار کریں گے تو وہ کہیں گے کہ انہوں نے غیر سودی قرض حاصل کرنے کی کوشش کی مگر نہیں پا سکے، جبکہ انہیں گھر کی تعمیر مکمل کرانی ضروری تھی، یا اپنے بچوں کے تعلیمی مصارف کے لیے یا قرض کی ادائیگی کے لیے پیسے کی ضرورت تھی، کوئی یہ کہے گا کہ اسے گاڑی کی یا کسی ضروری الکٹرانک سامان جیسے گرمی میں ایرکنڈیشن کی یا ان جیسے دوسرے سامانوں کی ضرورت تھی، اخلاق اور عفت وعصمت سے متعلق معاملہ ہو تو بدکاری میں مبتلا شخص یہ علت پیش کرتا ہے کہ وہ مہر کی ادائیگی یا شادی کے اخراجات برداشت کرنے سے قاصر ہونے کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتا اس لیے وہ زنا کرنے پر مجبور ہے، کوئی یوں حرام کا ارتکاب کرتا ہے کہ رشوت دیتا ہے اور وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ وہ اس کے لیے مجبور ہے کیونکہ اگر وہ رشوت کا سہارا نہیں لیتا تو مارکیٹ میں نہیں رہ پائے گا نہ اس کو کوئی ٹھیکہ ملے گا، یا یہ کہ سرکاری آفسوں میں اس کا کام بغیر رشوت دیے نہیں ہو پائے گا، یہ سب ایسی مثالیں اور واقعات ہیں جن کے بارے میں ہم سے اکثر سوال کیا جاتا ہے، اور ان میں مبتلا شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ جائز کام کر رہا ہے کیونکہ مجبوری میں ناجائز جائز ہو جاتا ہے، حالانکہ یہ محض وہم ہے اور ایسا تصور رکھنے والا گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، بلکہ گناہ کبیرہ میں ملوث ہوتا ہے چاہے وہ عمداً ایسا کرے یا ناواقفیت سے یا جان لینے کے بعد انجان بن کر کرے۔

موصوف آگے کہتے ہیں کہ میں اپنے مسلمان بھائی بہنوں سے گزارش کرتا ہوں کہ حلال لقمہ کھانے کی کوشش کریں۔ کوئی فرد بشر اپنا رزق حاصل کیے بغیر اس دنیا سے رخصت نہیں ہوگا۔ مسلمان مرد وزن کو اللہ تعالیٰ نے جن نعمتوں سے نوازا ہے ان کی قدر کریں اور خوشحالی اور عیش پرستی کی خاطر حرام کی طرف نگاہیں نہ جمائے رہیں، اور جو تنگدستی سے دوچار ہو وہ اللہ سے ڈرتا رہی:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجاً وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو'' [الطلاق: ۲، ۳]

اورسوائے حلال طریقے کے کسی اور ذریعے سے مال حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے، کیونکہ حرام چیز کے لیے حرام ذریعہ اختیار کرنا جائز نہیں جس طرح حرام چیز کے لیے حلال ذریعہ اختیار کرنا ناجائز ہے، مسلمان مردوزن کو اپنی ڈکشنری سے مجبوری اور اضطرار کا لفظ مٹا دینا چاہئے، کیونکہ مجبوری کا دعویٰ کرنے والے اکثر لوگ خود اپنے آپ کو تنگی میں مبتلا کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ اب وہ مجبور ہیں اور ان کے لیے شریعت کی رخصتوں کا دروازہ کھل گیا ہے، اور یہ کہ دین بہت آسان ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، یہ سب درست ہے مگر اس کا یہ موقع ومحل نہیں، بعض لوگ اپنے آپ کو معصیت میں ملوث کر لیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ وہ مجبور ہیں اور رخصت کے متلاشی ہیں، حالانکہ فقہائے کرام نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ رخصتیں معصیت پر نہیں حاصل ہوتیں، چنانچہ اگر کوئی اللہ کی کسی معصیت کے کام کی نیت سے سفر پر نکلے تو اس کو سفر کی رخصتیں مثلاً روزہ چھوڑنا، اور نماز جمع کرنا یہ سب اس کے لیے جائز نہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ سود ہی ایسی چیز ہے جس کے بارے میں قرآن کی سب سے سخت آیت نازل ہوئی ہے اور وہ یہ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ. فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ'' [البقرۃ:۲۷۸،۲۷۹]

اگر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو ہم ہلاک ہو چکے ہوتے، کیونکہ آج ہماری قوم سود کی دولت سے آسمان سے باتیں کرتی ہوئی بلند وبالا عمارتیں تعمیر کر کے فخر کرتی ہے اور کھلم کھلا اللہ اور رسول سے اعلان جنگ کر رہی ہے، جب کہ یہ ایسی جنگ ہے جس میں طرفین کا کوئی موازنہ نہیں، لیکن بس اللہ کی رحمت ہے، ورنہ وہ جب کسی ظالم بستی کو اپنی گرفت میں لیتا ہے تو اس کی گرفت سخت اور غیر معمولی ہوتی ہے، سرپرستوں اور اعلیٰ حکام کو بھی میں دعوت دیتا ہوں کہ ہمارے سلسلے میں اللہ سے ڈریں، کیونکہ کل اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا کہ جو امانت ان کے حوالے کی گئی تھی اس کی حفاظت کیا یا اسے برباد کر کے رکھ دیا۔

ماخوذ از کتاب: دروس وخطبات، مؤلفہ شیخ اسعد اعظمی

زکاۃ کے پیسوں سے اشیاءخوردنی (Food Kits) تقسیم کرنے کا حکم؟

ابواحمد کلیم الدین یوسف جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

زکاۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے، جسے معاشرے کے غریب،محتاج،ضرورت منداور پریشان حال لوگوں کے تعاون کیلئے فرض کیا گیا ہے،زکاۃ کا مال کہاں خرچ کرنا ہےاور کس قسم کے لوگوں کو دینا ہے اس کی رہنمائی سورہ توبہ کی آیت نمبر۶۰ کی گئی ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ خود سے اپنی زکاۃ غریبوں کے درمیان تقسیم نہیں کر سکتے،ایسی صورت میں وہ کسی کو اپنا نائب بنادیتے ہیں تا کہ وہ زکاۃ کا مال غریبوں اور فقراء تک پہنچادے،اس نائب کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ اس مال کو فقراء ومحتاجین تک ویسے ہی پہنچادے جیسے اسے دیا گیا ہے،اس میں کوئی تصرف نہ کرے،مثال کے طور پر: کسی نے ایک شخص کو 10000 زکاۃ کے روپے دیئے کہ وہ غریبوں کے درمیان تقسیم کردے،اب اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ غریبوں میں روپیہ ہی تقسیم کرے،اپنی صواب دید سے چاول، گیہوں، آٹا، تیل، چینی، مصالحہ، اور دیگر اشیاءخوردنی خرید کر غریبوں کو نہ دے، کیونکہ زکاۃ کا مال صرف غریبوں کی ملکیت ہے،اوران غریبوں سے پوچھے بنا ان کی ملکیت میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے، نیز ان غریبوں کو پتہ ہے کہ ان کی مصلحت کھانے پینے کی چیز خریدنے میں ہے یا پھر دوسری چیزوں میں؟

امام بقاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:''زکاۃ غریبوں کے ہاتھوں میں دینا چاہیے،فقراء ومساکین اپنی مرضی سے جیسے چاہیں اس زکاۃ کے مال کو خرچ کریں یا اس میں تصرف کریں''[نظم الدرر :۵۰۵/۸]

امام مرداوی رحمہ اللہ کہتے ہیں:''زکاۃ کا مال غریبوں کی ملکیت میں تحویل کرنا شرط ہے، زکاۃ کے مال سے انہیں کھانا وغیرہ کھلانا جائز نہیں''[الإنصاف:۲۳٤/۳]

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زکاۃ دینے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ زکاۃ کے پیسے فقراءاور مساکین کے ہاتھ میں دیئے جائیں، وہ جیسے چاہیں زکاۃ کے پیسوں کا استعمال کریں، ان پیسوں سے فقیروں کی دوسری ضروریات پوری کرنا جائز نہیں ہے،اور یہی بات کتاب وسنت کے نصوص سے ثابت ہوتی ہے۔

https://youtu.be/zP7rjq9-Qes

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا زکاۃ کے مال سے فقراءومساکین کو ماہ رمضان میں افطار کروایا جاسکتا ہے؟

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے جواب دیا: زکاۃ کے مال سے فقراء ومساکین کو افطار کروانا جائز نہیں ہے، بلکہ زکاۃ کا مال فقراء اور مساکین کو دینا واجب ہے، وہ اپنی ضرورت ومصلحت کے مطابق زکاۃ کا مال استعمال کریں گے، ہر صورت میں فقراء ومساکین کو زکاۃ کا مال ہی دینا ہے، ان کی مرضی ہے وہ اپنے مال کو جہاں چاہیں خرچ کریں (زکاۃ کے مال سے کھانے پینے کی اشیاء یا دیگر چیزیں خرید کر دینا جائز نہیں) جیسا کہ اللہ رب العالمین نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ..........﴾ الآیۃ:٦٠

(لِلْفُقَرَاء) میں لام تملیک کیلئے ہے، یعنی زکاۃ کا مال ان فقراء کی ملکیت ہے (دوسرے لوگ ان کے مال میں بایں طور تصرف نہیں کرسکتے)[لقاء الباب المفتوح:٥٠، ص:١٤]

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: کیا زکاۃ کے پیسوں سے اشیاء خوردنی خرید کر غریبوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے؟

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے کہا: ایسا کرنا جائز نہیں ہے، غریبوں کو پیسہ ہی دیا جائے گا، (ان پیسوں سے دوسری چیز خرید کر نہیں دی جائے گی)[اللقاء الشهري:٣٤/١٤]

ایک مقام پر شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا: پیسوں کی زکاۃ صرف پیسوں میں ہی نکالی جائے گی، ان پیسوں سے دوسری چیزیں خرید کر فقراء ومساکین کو دینا جائز نہیں ہے، اگر خود فقراء ومساکین کسی کو اپنا وکیل یا نائب بنا کر انہیں اپنے زکاۃ کے پیسے دے کر کوئی دوسری چیز خریدنے کیلئے کہیں تو ایسا کرنا جائز ہے۔[مجموع فتاوى ورسائل ابن عثيمين:١٨/٣٠٣]

محترم قارئین: مندرجہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکاۃ کا مال فقراء ومساکین کا ہے، ان سے پوچھے بنا اس میں تصرف کرنا کسی کیلئے جائز نہیں ہے، کیونکہ شریعت نے زکاۃ کے مال کا حقدار فقراء ومساکین کو بنایا ہے، اور کسی کے مال میں اس کی مرضی کے بنا کسی بھی قسم کا تصرف جائز نہیں ہے۔

نیز جس طرح زکاۃ نکالنے والوں کے پاس سمجھ اور فہم ہے اسی طرح زکاۃ لینے والوں کے پاس بھی سمجھ اور فہم ہے، جس طرح زکاۃ نکالنے والا اپنی ضرورت اور مصلحت کو خود بہتر جانتا ہے اسی طرح زکاۃ لینے والے فقراء ومساکین بھی اپنی مصلحت وضرورت کو دوسرے کے مقابلے میں بہتر طور پر جانتے ہیں، اس لئے زکاۃ کا مال فقراء ومساکین کے ہاتھ میں ہی دیا جائے، نہ کہ زکاۃ کے پیسوں سے دیگر اشیاء خرید کر ان غریبوں کو تھما دیا جائے۔

بعض علماء کرام نے بعض فقراء ومساکین کی مصلحت کے پیش نظر زکاۃ کے مال سے ان کی ضرورت کی چیزیں خرید کر انہیں دینے کی اجازت دی ہے، جیسے: کوئی فقیر پاگل ہو، یا کم عقل ہو، یا پیسے خرچ کرنے کا طریقہ نہیں جانتا ہو تو اس قسم کے فقراء ومساکین کیلئے زکاۃ کے پیسوں سے ان کی ضرورت کی چیزیں خریدی جاسکتی ہیں۔[مجلة البحوث الإسلامية:٥٩/٨٧]

شوال کے روزوں سے متعلق چند اہم سوالوں کے جوابات

ابوالبیان رفعت سلفی

رمضان کے فرض روزوں کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے مسنون ومستحب ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے ان روزوں کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔جوشخص رمضان کے فرض روزوں کومکمل کرنے کے بعدشوال کے چھ روزے بھی رکھے گا اس کو پورے سال روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا،شوال کے چھ نفل روزوں کی اسی فضیلت کی مناسبت سے میں نے اپنے اس مضمون میں شوال کے روزوں سے متعلق چند مفید باتوں کوسوال وجواب کی شکل میں منتخب کیا ہے۔

سوال:۱۔ کیاشوال کے چھ روزوں کا ثبوت ہےاوراگر ہےتوان کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: شوال کے چھ روزے جنہیں شش عیدی روزے بھی کہا جاتا ہے،ان کا ثبوت ہےاورفضیلت بھی ثابت ہے۔

دلیل: عَنْ اَبِی اَیُّوبَ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہُ حَدَّثَہُ، اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ قَالَ:"مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَاَتْبَعَہُ سِتًّا مِنْ شَوّالٍ. کَانَ کَصِیَامِ الدّھْرِ".

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:"جس نے رمضان کے روزے رکھے پھراس کے بعدشوال کے چھ(نفلی) روزے رکھےاس کوسال بھر کے روزوں کا ثواب ملے گا"[صحیح مسلم:۱۱٦٤]

عیدالفطر کے بعد یہ روزے مسلسل بھی رکھ سکتے ہیں اور ناغہ کر کے بھی،عید کے بعد دوسرے دن بھی رکھ سکتے ہیں اوردوچار روز بعد بھی،یعنی عید کے بعد دوسرے دن سے شوال کے ختم ہونے تک ان کا رکھنا جائز ہے کیونکہ حدیث میں عید کے فوراًبعد رکھنے یا مسلسل رکھنے کی قیداورشرط نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن فقہاء نے ان روزوں کومکروہ کہا ہے ان کی بات درست نہیں ہے۔(نعمۃ المنان مجموع فتاویٰ فضیلۃ الدکتور فضل الرحمٰن مدنی رحمہ اللہ،جلدسوم،صفحہ:۲۳۱)

سوال:۲۔ رمضان اورشوال کے روزوں سے سال بھر کے روزوں کا ثواب کیسے ملے گا؟

جواب: ایک نیکی کا ثواب کم ازکم دس گنا ہے کے اصول کے مطابق رمضان کے روزے دس مہینوں کے روزوں کے برابر ہوئے اوراس کے بعدشوال کے چھ روزے اگر رکھ لیے جائیں تو یہ دو مہینے کے روزوں کے برابر ہوں گے، اس طرح اسے پورے سال کے روزوں کا ثواب مل جائے گا،جس کا یہ مستقل معمول ہو جائے اس کا شمار اللہ کے نزدیک ہمیشہ روزہ رکھنے والوں میں ہوگا،شوال کے یہ روزے نفلی ہیں انہیں متواتر بھی رکھا جاسکتا ہےاور ناغہ کر کے

بھی، تاہم شوال ہی میں ان کی تکمیل ضروری ہے۔فرمایا:''جس نے رمضان کے روزے رکھے پھراس کے بعد شوال کے چھ(نفلی) روزے رکھے تو یہی صوم الدھر ہے''۔[صحیح مسلم:١١٦٤]

سوال:۳۔ جس شخص کے گزشتہ رمضان کے روزے فوت ہوگئے ہیں، وہ ان روزوں کی قضا پہلے کرے گا یا شش عیدی یا عشرۃ ذی الحجہ وغیرہ کے روزے رکھے گا؟

جواب: جس شخص کے رمضان کے روزے فوت ہوگئے ہوں تو ایسے شخص کو چاہیے کہ پہلے فوت شدہ روزوں کی قضا کرے، پھر نفلی روزے رکھے کیونکہ فرض نفل سے اہم ہے اور فرض کی قضا ضروری ہے، جب کہ نفل صرف مستحب ہے، البتہ اگر کسی نے نفلی روزے پہلے رکھ لیے اور فوت شدہ روزوں کی قضا بعد میں کی تو دونوں روزے صحیح ہوجائیں گے، لیکن اگر پہلے نفلی روزے رکھ لیے پھر فرض روزے نہیں رکھ سکا تو اس پر مواخذہ ہوگا۔اس واسطے فرض روزوں کی قضا پہلے کرنی چاہیے۔(نعمۃ المنان مجموع فتاویٰ فضیلۃ الدکتور فضل الرحمٰن مدنی رحمہ اللہ، جلد سوم، صفحہ:۲۱۱)

سوال:۴۔ بغیر سحری کے شوال کے روزے رکھنا کیسا ہے؟

جواب: جی ہاں بغیر سحری کے کھائے بھی شوال کے روزے رکھ سکتے ہیں کیونکہ سحری کھانا تو فرض روزوں کی صحت کے لیے بھی ضروری نہیں البتہ روزوں کی نیت کے اعتبار سے فرض اور نفل روزوں میں فرق ہے۔

اگر کوئی شخص رمضان کے فرض روزے رکھتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فرض روزہ کی نیت ختم سحر یعنی طلوع فجر سے پہلے کرلے، اگر کسی شخص نے فرض روزوں کی نیت طلوع فجر سے پہلے نہیں کی تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔

دلیل: عَنْ حَفْصَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:"مَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ، فَلَا يَصُومُ". ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:''جو شخص طلوع فجر سے پہلے روزہ کی نیت نہ کرے تو اس کا روزہ نہ ہوگا''البتہ نفل روزوں کی نیت طلوع فجر کے بعد بھی کی جاسکتی ہے۔[سنن نسائی:٢٣٣٤]

سوال:۵۔ اگر شوہر شوال کے روزوں سے منع کرے تو؟

جواب: اگر شوہر شوال کے روزوں کے لیے بیوی کو منع کرے تو ایسی صورت میں بیوی کے لیے شوال کے نفلی روزے رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ شوال کا روزہ نفلی روزہ ہے اور عورت کے لیے نفلی روزہ شوہر کی اجازت کے بغیر رکھنا جائز نہیں۔

دلیل:عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:"لَا تَصُومُ الْمَرْاَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''کہ اگر شوہر گھر پر موجود ہے تو کوئی عورت اس کی اجازت کے بغیر(نفلی) روزہ نہ رکھے''[صحیح بخاری:٥١٩٢]

(پانچویں قسط)

تین طلاق اور صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ

کفایت اللہ سنابلی

امام طاؤس رحمہ اللہ کے تفرد پر اعتراض:

امام طاؤس پر شذوذ کا اعتراض جو اس معنیٰ میں کیا گیا تھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دوسرے شاگردوں نے ان کی مخالفت کی ہے اس کا جواب بالتفصیل گزر چکا ہے، بعض لوگ امام طاؤس پر تفرد کا اعتراض کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ یہ زیر بحث حدیث کی روایت میں منفرد ہے۔

جواباً عرض ہے کہ:

اولاً:

جب ثقہ اور حافظ راوی کسی حدیث کو روایت کرنے میں منفرد ہو تو اس کی حدیث صحیح ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے کہا:

"وكم من ثقة تفرد بما لم يشاركه فيه ثقة آخر وإذا كان الثقة حافظا لم يضره الانفراد"

"کتنے ہی ثقہ ایسے ہیں جنہوں نے منفرد حدیث روایت کی ہے اور ان کے ساتھ کسی دوسرے ثقہ نے وہ حدیث روایت نہیں کی، اور جب منفرد حدیث بیان کرنے والا راوی ثقہ اور حافظ ہو تو اس کا تفرد مضر نہیں ہے" [فتح الباری لابن حجر، ط المعرفة:۵/۱۱]

ثانیاً:

امام طاؤس حفاظ تابعین میں سے ہیں اور حفاظ تابعین کی منفرد حدیث صحیح ہوتی ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸) نے چند حفاظ تابعین کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

"فهؤلاء الحفاظ الثقات إذا انفرد الرجل منهم من التابعين، فحديثه صحيح"

"ان حفاظ ثقہ تابعین میں جب کوئی کسی حدیث کی روایت میں مفرد ہو تو اس کی حدیث صحیح ہے" [الموقظة فی علم مصطلح الحدیث للذهبی: ص:۷۷]

امام ابن القیم رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۱) نے کہا:

"وكم من حديث تفرد به من هو دون طاؤس بكثير ولم يرده أحد من الأئمة"

''بلکہ کتنی ایسی حدیث ہے جسے راویت کرنے میں طاؤس سے کم تر درجہ کا راوی منفرد ہے اور ائمہ میں سے کسی نے بھی اسے رد نہیں کیا ہے'' [إغاثة اللهفان: ۲۹۵/۱]

یہی وجہ ہے کہ قاضی ابوبکر بن العربی المالکی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۴۳) زیر بحث حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وعندی: أن الرواية صحيحة؛ لأن طاؤس قوی الحفظ إمام''

''میرے نزدیک روایت صحیح ہے کیونکہ طاؤس قوی حافظے والے اور امام ہیں'' [المسالك فی شرح موطأ مالك لابن العربی: ٥٤٦/٥]

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے طاؤس کی روایت کردہ ایک دوسری حدیث پر بعض نے تفرد کا اعتراض کیا تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا:

''وفيه نظر لأن طاؤسا ثقة حافظ فقيه فلا يضره تفرده''

''یہ بات محل نظر ہے کیونکہ طاؤس ثقہ حافظ اور فقیہ ہیں اس لئے ان کا تفرد مضر نہیں ہے'' [فتح الباری لابن حجر، ط المعرفة: ٤٠٣/٩]

ثالثاً:

امام طاؤس رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگرد ہیں۔ چنانچہ:

امام سفیان بن عیینہ (المتوفی ۱۰۷) فرماتے ہیں:

''قلت لعبيد اللّٰه بن أبی يزيد: مع من كنت تدخل على ابن عباس؟ قال: مع عطاء والعامة، وكان طاؤس يدخل مع الخاصة''

''میں نے عبید اللہ بن ابی یزید سے کہا کہ: آپ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس کن لوگوں کے ساتھ جاتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا: میں عطاء اور عام لوگوں کے ساتھ جاتا تھا، اور امام طاؤس خاص لوگوں کے ساتھ جاتے تھے'' [العلل ومعرفة الرجال لأحمد، ت الأزهری: ۳۵۸/۲، وإسناده صحيح]

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸) نے کہا:

''ولازم ابن عباس مدة، وهو معدود فی كبراء أصحابه''

''امام طاؤس نے ایک مدت تک ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحبت اختیار کی ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں'' [سير أعلام النبلاء للذهبی: ۳۹/۵]

اور جب کسی راوی سے اس کا خاص شاگرد کسی حدیث کو روایت کرنے میں منفرد ہو تو اس کی منفرد حدیث صحیح ہوتی ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ المتوفی ۷۴۸) سفیان ثوری رحمہ اللہ سے ان کے ایک شاگرد کی منفرد روایت کے بارے میں کہتے ہیں:

”لانه لازمه مدة، فلا ينكر له أن ينفرد عن ذاك البحر “

”انہوں نے امام ثوری کی ایک مدت تک صحبت اختیار کی ہے اس لئے سفیان ثوری سے ان کی روایت کو منکر نہیں کہا جاسکتا“ [ميزان الاعتدال للذهبي ت البجاوي:٤/٧١]

اور امام ذہبی ہی نے طاؤس کے بارے میں بھی کہا ہے کہ انہوں نے ایک مدت تک ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحبت اختیار کی ہے جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا، لہٰذا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان کے خصوصی شاگرد امام طاؤس کی روایت بھی منکر نہیں ہوسکتی بلکہ صحیح ہوگی۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: [التفرد في رواية الحديث ومنهج المحدثين في قبوله أو رده: ص :٥٧٩تا ٥٨١]

رابعاً:

امام طاؤس ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرنے میں منفرد بھی نہیں ہیں بلکہ کئی اور رواۃ نے ان کی متابعت بھی کی ہے جیسا کہ ماقبل میں تفصیل گزر چکی ہے۔

امام طاؤس کی ایک دوسری روایت کو لے کر اعتراض:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام طاؤس نے خود اس روایت سے برأت ظاہر کردی ہے چنانچہ زاہد کوثری صاحب لکھتے ہیں:

”قال الحسين بن علي الكرابيسي في أدب القضاء: أخبرنا علي بن عبد الله (وهو ابن المديني)عن عبد الرزاق عن معمر عن ابن طاؤس عن طاؤس أنه قال: من حدثك عن طاؤس أنه كان يروي طلاق الثلاث واحدة كذبه “

”حسین بن علی الکرابیسی نے اپنی کتاب أدب القضاء میں کہا ہے کہ: ہم نے علی بن عبداللہ (وھو ابن المدینی) نے عبدالرزاق سے انہوں نے معمر سے انہوں نے ابن طاؤس سے انہوں نے طاؤس سے نقل کیا کہ طاؤس نے کہا: جو تم سے طاؤس کے حوالے یہ بیان کرہے کہ وہ تین طلاق کو ایک ماننے والی بات روایت کرتے تھے تو اس نے جھوٹ بولا ہے“ [اشفاق في أحكام الطلاق: ص:٣٣، الفقه وأصول الفقه من أعمال الإمام محمد زاهد الكوثري:ص : ٢٤٠]

عرض یہ ہے کہ:

اولاً:

ہمارے علم کی حد تک حسین بن علی الکرابیسی (المتوفی ۲۴۸) کی کتاب ادب القضاۃ کے حوالے سے یہ روایت سب سے پہلے صرف زاہد کوثری (المتوفی ۱۳۷۱ھ) نے چودھویں صدی میں نقل کی ہے پھر احناف نے زاہد کوثری ہی کی کتاب سے اسے نقل کرنا شروع کیا ہے۔

لیکن تیسری صدی ہجری سے لے کر چودہویں صدی ہجری تک یعنی ہزاروں سال تک کوئی بھی اس کتاب سے یہ روایت نقل نہیں کرتا، جبکہ طلاق پر ہر دور کے علماء نے گفتگو کی ہے، لہٰذا صرف چودہویں صدی کے متعصب حنفی زاہد کوثری کی نقل پر اعتماد قطعاً نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جو لوگ بھی یہ روایت پیش کرتے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ کرابیسی کی یہ کتاب لاکر اس میں یہ روایت دکھلائیں یا کم از کم ماضی کے کسی معتبر عالم سے بھی یہ ثابت کریں کہ انہوں نے بھی کرابیسی کی کتاب سے یہ روایت نقل کی ہے۔

ثانیاً:

اگر کرابیسی کی کتاب میں یہ روایت مل بھی جائے تو بھی یہ جھوٹی اور من گھڑت قرار پائے گی کیونکہ اس کتاب کے مصنف کرابیسی پر ائمہ نے شدید جرح کر رکھی ہے۔

امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۳) نے کہا:

"**لعنه الله**"، "اللہ کی اس پر لعنت ہو" [تاريخ بغداد، مطبعة السعادة:٦٥/٨ واسناده صحيح]

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱) نے کہا:

" **أخزى الله الكرابيسي لا يجالس، ولا يكلم، ولا تكتب كتبه** "

"اللہ کرابیسی کو رسوا کرے، اس کے ساتھ نہ بیٹھا جائے، نہ اس سے بات کی جائے نہ اس کی کتابیں لکھی جائیں"

[مسائل أحمد بن حنبل رواية ابن هانىء :ص:٤١٩]

حتیٰ کہ ایک موقع پر امام احمد رحمہ اللہ نے اسے صراحتاً کافر کہتے ہوئے کہا:

"**بل هو الكافر**"، "بلکہ یہ خود کافر ہے" [الإبانة الكبرى لابن بطة :٣٤٤/٥ واسناده صحيح وانظر طبقات الحنابلة:٦٢/١]

بلکہ زاہد کوثری نے خود کرابیسی کے بارے میں کہا:

"**متكلم فيه**"، "اس پر کلام کیا گیا ہے" [تأنيب الخطيب:ص:٣٥٦، دوسرا نسخه ص:١٨٤]

ثالثاً:

کرابیسی کی کتاب میں یہ روایت امام عبدالرزاق کے طریق سے منقول ہے اور امام عبدالرزاق کی کتاب مصنف میں یہ روایت صحیح مسلم والی روایت کے مطابق ہی ہے۔ چنانچہ:

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (المتوفی ۲۱۱) نے کہا:

عن معمر قال: أخبرني ابن طاوس، عن أبيه، عن ابن عباس قال: "كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وسنين من خلافة عمر، طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر: إن الناس استعجلوا أمرا كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيناه عليهم. فأمضاه عليهم"

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "کہ طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی دو برس تک ایسا امر تھا کہ جب کوئی ایک بارگی تین طلاق دیتا تھا تو وہ ایک ہی شمار کی جاتی تھی، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے جلدی کرنا شروع کی اس میں جس میں ان کو مہلت ملی تھی تو ہم اس کو اگر جاری کر دیں تو مناسب ہے، پھر انہوں نے جاری کر دیا (یعنی حکم دے دیا کہ جو ایک بارگی تین طلاق دے تو تینوں واقع ہو گئیں)" [مصنف عبد الرزاق، ت أيمن الأزهري: ٣٠٥/٦ رقم: ١١٣٨٠]

رابعاً:

امام عبدالرزاق کے تمام شاگردوں نے بھی ان کی کتاب مصنف عبدالرزاق کے موافق ہی روایت کیا ہے۔ مثلاً:

① محمد بن رافع (صحیح مسلم: ۱۰۹۹/۳)
② إسحاق بن راہویہ (صحیح مسلم: ۱۰۹۹/۳)
③ احمد بن حنبل (مسند أحمد ط المیمنیۃ: ۳۱۴/۱، وإسنادہ صحیح)
④ أحمد بن یوسف الأزدی (مستخرج أبي عوانۃ: ۱۵۲/۳ وإسنادہ صحیح)
⑤ إسحاق بن إبراہیم الدبری (مستخرج أبي عوانۃ: ۱۵۲/۳ وإسنادہ صحیح)
⑥ إسحاق بن منصور (السنن الکبری للبیہقی: ۵۵۰/۷ وإسنادہ صحیح)
⑦ أحمد بن منصور الرمادی (سنن الدارقطنی: ۸۴/۵ وإسنادہ صحیح)

ملاحظہ فرمائیں کہ یہ ساتوں شاگرد کوئی معمولی رواۃ نہیں ہیں بلکہ ان میں سے اکثر اپنے وقت کے کبار ائمہ ہیں اور ان سب کی روایات کا مضمون بھی بالکل یکساں ہیں، جبکہ کرابیسی کی روایت میں عین اسی مضمون کا انکار بلکہ اس کی تکذیب ہے اس لئے اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ خود کرابیسی کی روایت ہی جھوٹی اور من گھڑت ہے۔

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge, Welcome to Understanding"

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

ISLAMIC INFORMATION CENTRE, MUMBAI

ONLINE
COURSES & DUROOS
Alhamdulillah

Various Online Deeni Courses
On Zoom App For Both Brother's & Sister's

Online Deeni Courses
On Zoom App
Only for Sister's

EASY QUR'AN

IQRA
The Qur'an Right-Read' Course

Online Zakat Workshop
On Zoom App

Online Ramzan Workshop
On Zoom App

Thursday Night Conference
Ulema Ke Saath | On Zoom App
Every Thursday: 9:30 pm to 10:15 pm

Donate And Support IIC

ICICI BANK
Account Name : ILM FOUNDATION (Savings),
Account No. : 102801002071 | IFSC : ICIC0001028,
Branch : Andheri Link Road Mumbai,
Contact : 8291063785, 9773112909

Date of Publication : 1st of Every Month
RNI No.-MAHURD/2011/49433 Postal Registration No. : MCE/281/2022-24
Posted on 4th and 5th of Every Previous Month

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

ISLAMIC INFORMATION CENTRE, MUMBAI

DEENI DAWAT
ONLINE & OFFLINE
Alhamdulillah

Islam Phone Helpline
8080807836/37, 8080801882
Direct Call Kar Ke Apne Deeni Sawalon Ke Jawab Hasil Karen.

Islam Whatsapp Helpline
8080807836, 8080807837
Apne Deeni Sawalon Ke Jawab Call, Text, Audio/Video Format Mein Send Kar ke Hasil Karen.

Dawah Desk Visitors (Kurla-Andheri)
Ulema Se Rubaru Hokar Deeni ilm, Deeni Masayel Aur Digar Sawalon Ke Jawabaat Face To Face Maloom Karen.

Family Dispute Counselling
Virasat, Talaq, Khula, Aur Digar Masayel Par Rehnumai.

If Undelivered Please Return To

Ahlus Sunnah

Islamic Information Centre
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,

Book Post